ماہنامہ

پیامِ عرفات

رائے بریلی

علم کے سچے پرستار!

’’ہندستان میں سرکاری تعلیم نے جو نقصانات ہمارے قومی خصائل واعمال کو پہنچائے ہیں، ان میں سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ تحصیل علم کا مقصد اعلیٰ ہماری نظروں سے محجوب ہوگیا ہے، علم خدا کی ایک پاک امانت ہے اور اس کو صرف اس لیے ڈھونڈھنا چاہیے کہ وہ علم ہے لیکن سرکاری یونیورسٹیوں نے ہم کو ایک دوسری راہ بتلائی ہے، وہ علم کا اس لیے شوق دلاتی ہیں کہ بلا اس کے سرکاری نوکری نہیں مل سکتی، پس اب ہندوستان میں علم کو، علم کے لیے نہیں بلکہ معیشت کے لیے حاصل کیا جاتا ہے۔

یہ بڑی بڑی تعلیمی عمارتیں جو انگریزی تعلیم کی نوآبادیاں ہیں، کس مخلوق سے بھری ہوئی ہیں؟ مشتاقانِ عمل اور شیفتگانِ حقیقت سے؟ نہیں! ایک مٹھی گیہوں اور ایک پیالہ چاول کے پرستاروں سے، جن کو یقین دلایا گیا ہے کہ بلاحصولِ علم کہ وہ اپنی غذا حاصل نہیں کرسکتے۔ لیکن میں آپ کے علم میں یہ حقیقت لانا چاہتا ہوں کہ علم کی اس عام توہین وتذلیل کی تاریکی میں سچی علم پرستی کی ایک روشنی برابر چمکتی رہی ہے، یہ ہندوستان کے طالبینِ علم کی وہ جماعتیں ہیں جو اسلام کے قدیم مذہبی علوم اور مذہبی زبان کے فنون مختلف عربی مدرسوں میں حاصل کررہی ہیں۔‘‘

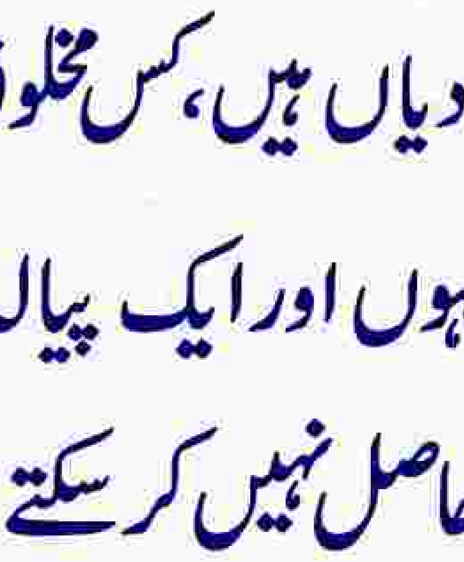

مولانا ابوالکلام آزادؒ

مرکز الإمام أبي الحسن الندوي

AUG 16

₹10/-

دارِ عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

علم کو اسلام کے ساتھ مربوط کیا گیا ہے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

"علم ہمارے اس لیے بھی ضروری ہے کہ ہمارا اسلام کے ساتھ وابستہ رہنا اور اسلام پر پورے طور پر چلنا اس کے بغیر ممکن نہیں بلکہ ناممکن ہوسکتا ہے، اور کم از کم (ہمارا ہندوستان) جیسا ملک ہے، جس کے چاروں طرف جہالت کی جو فضا ہے اور جو کفر وشرک اور دوسرے مذاہب میتھالوجی (دیومالائی) جو پھیلی ہوئی ہے اور اب آج کل ریڈیو، ٹی وی کے ذریعہ، پریس کے ذریعہ اور تاریخ کے ذریعہ اور ہر طرح سے وہ چیزیں پھیلائی جارہی ہیں جو ہندوستان میں کبھی تھیں وہ بھی سامنے لائی جارہی ہیں، اس صورت میں دین کی تعلیم کی سخت ضرورت ہے، گویا اس وقت اسلام کے باقی رہنے کا دارومدار اس پر ہے کہ آپ کے گھر والوں کو، آپ کے بچوں کو ضروری دینی معلومات حاصل ہوں، اس کا انتظام ہونا چاہیے۔

میں نے بار بار کہا اور لکھا ہے کہ بچوں کی صحت، اور بچوں کے کپڑے بنوانے، بچوں کے دوا علاج کرنے، بچوں کو بیماریوں سے تحفظ فراہم کرنے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے کہ ان کو اللہ ورسول سے واقف کرائیں اور ان کو کفر وایمان کا فرق بتائیں، انھیں شرک وتوحید کا فرق بتائیں، ہماری ماؤں اور بہنوں پر فرض ہے اور گھروں کے لوگوں پر فرض ہے کہ ان کے دل میں ان سے گھن پیدا کریں، ایسی گھن جو پیشاب وپاخانہ اور گندگی سے ہوتی ہے

جب تک ہماری نئی نسل کے دل میں بت پرستی چاہے وہ کسی قسم کی بت پرستی ہو اس کائنات میں کسی کو متصرف ماننے، کسی کو کارساز ماننے، کارفرما ماننے، اور اپنی قسمت کا بنانے والا اور بگاڑنے والا جاننے، اس سے جب تک گھن نہ آئے جیسے پاخانہ اور پیشاب اور گندی چیزوں سے ہوتی ہے۔

بچوں کو دینی تعلیم دینا اور ایسی دینی تعلیم کا انتظام کرنا جس سے اس دین کا ضروری علم حاصل ہوجائے بلکہ کفر اور شرک سے ایک قسم کی نفرت، اور وحشت نہ پیدا ہو اس وقت تک اطمنان نہیں کہ وہ کفر وشرک کا کام نہ کرگذریں، مائیں ایسے قصے سنائیں جن سے کفر وشرک کا فرق معلوم ہو، حضرت ابراہیم کا قصہ سنائیں، حضرت ابراہیم آزر کے گھر میں پیدا ہوئے جہاں صرف حکومت بت پرستوں کی نہیں تھی بلکہ ان کا معاش بھی اس سے وابستہ تھا، یعنی اعتقادی اور اقتصادی دونوں طور سے بت سازی ان کے گھر میں تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو داعی کبیر بنایا تھا، بلکہ موحد امت کا بانی بنایا تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے کفر و شرک کے فرق کو "یانار کوني بردا وسلاما" (اے آگ تو ٹھنڈی اور سلامتی والی ہوجا) سے عیاں کردیا، ایسے قصوں سے، ایسے واقعات سے بچوں میں، گھروں میں اور ماحول میں کفر وشرک کا امتیاز پیدا ہوگا، اور اسلام کا صحیح علم حاصل کرنے کی رغبت پیدا ہوگی، اسی لیے علم کو اسلام کے ساتھ مربوط کیا گیا ہے تاکہ مسلمان اسلامی تعلیمات کے ساتھ مسلمان رہے، ایمان وعقیدہ کے ساتھ مسلمان رہے"

(ماخوذ از:-علم اسلام سے اور جہالت جاہلیت سے جڑی ہے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں ایک ساتھ شائع ہونے والا

پیام عرفات

مرکز الامام أبی الحسن الندوی
دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)
www.abulhasanalinadwi.org

جلد:۸ — اگست ۲۰۱۶ء — شمارہ:۸

سرپرست: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ (صدر، دارعرفات)

نگراں: مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ (جنرل سکریٹری، دارعرفات)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی | مفتی راشد حسین ندوی | عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمود حسن حسنی ندوی | محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

تفقہ فی الدین

﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾

(تو کیوں نہ ہر طبقہ میں سے ایک جماعت نکل پڑے تاکہ وہ دین میں سمجھ پیدا کرے اور تاکہ اپنی قوم کو جب ان کے پاس وہ واپس آئے تو خبر دار کرے شاید وہ باز رہیں)

(التوبة:۱۲۲)

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر ''پیام عرفات'' مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔ Mail: markazulimam@gmail.com

فہرس

کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانہ میں (اداریہ)..........۳
..........بلال عبدالحی حسنی ندوی

اللہ کی گرفت..........۴
..........حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

علم کی حقیقت..........۵
..........مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

سیرت نبوی-قرآن کریم کے آئینہ میں..........۶
..........بلال عبدالحی حسنی ندوی

تعلیمی بیداری کی ضرورت..........۸
..........مولانا عزیزالحسن صدیقی

منصب قیادت-قرآن کریم کی روشنی میں..........۱۰
..........عبدالسبحان ناخدا ندوی

جماعت وامامت-فضائل واحکام (قسط دوم)..........۱۳
..........مفتی راشد حسین ندوی

حضرت سید احمد شہیدؒ-تحریک آزادی کے اولین علمبردار..۱۶
..........عبداللہ عثمان (دیوبند)

علم دین کا مقصود..........۱۸
..........محمد ارمغان بدایونی ندوی

ترکی میں ناکام فوجی بغاوت، منظر-پس منظر..........۱۹
..........محمد نفیس خاں ندوی

شمع فروزاں

نتیجۂ فکر: **اختر شیرانی مرحوم**

مسند نشین عالم امکاں تمہیں تو ہو
اس انجمن کی شمع فروزاں تمہیں تو ہو

دنیائے ہست و بود کی زینت تمہیں سے ہے
اس باغ کی بہار کا ساماں تمہیں تو ہو

روشن ہے جس کی ضو سے شبستان زندگی
وہ ماہ نیم ماہ درخشاں تمہیں تو ہو

دنیا کی آرزو میں فنا آشنا ہیں سب
جو روح زندگی ہے وہ ارماں تمہیں تو ہو

تم کیا ملے کہ دولت ایماں ملی ہمیں
ایمان کی تو یہ ہے کہ ایماں تمہیں تو ہو

صبح ازل سے شام ابد تک ہے جس کا نور
وہ جلوہ زار حسن درخشاں تمہیں تو ہو

وارائے چرخ و دور زمیں جس کے ہیں غلام
وہ ناز دہر و نازش دوراں تمہیں تو ہو

دنیا و آخرت کا سہارا تمہاری ذات
دونوں جہاں کے والی و سلطاں تمہیں تو ہو

شادابی صنوبر و نسریں تمہیں سے ہے
بوئے گل و بہار گلستاں تمہیں تو ہو

اختر کو بے نوائی دنیا کی فکر کیا
ساماں طراز بے سر و ساماں تمہیں تو ہو

مدیر کے قلم سے

کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانہ میں

بلال عبدالحی حسنی ندوی

اس وقت پوری اسلامی دنیا میں ایک بھونچال سا آیا ہوا ہے، اسلام کا مظاہرہ اگر کہیں بھی نظر آتا ہے تو لگتا ہے کہ یورپ وامریکہ کو ایک کرنٹ سا لگ گیا، شاید اس کے سامنے اسلام کی چھ سو سالہ وہ سنہری تاریخ ہے جب ساری دنیا اس کے زیر نگیں تھی، عیسائی دنیا کو یہ ڈر ہے کہ کہیں دوبارہ یہ کمان مسلمانوں کے پاس نہ چلی جائے، اس موہوم خطرہ سے نپٹنے کے لیے امریکہ ویورپ کو ذرا بھی باک نہیں ہوتا کہ ہزاروں انسانوں کی جان لے لی جائے، ملکوں کو توڑ دیا جائے، ایٹم بم برسائے جائیں، حقوق انسانی کو پامال کیا جائے، اس کے سامنے صرف ایک مقصد ہے اور وہ ہے اقتدار، ساری دنیا پر بالادستی، جمہوریت وآزادی کا ڈھنڈورا پیٹنے والے سب سے بڑھ کر اس کا خون کرنے والے ہیں۔

ترکی کی تازہ صورت حال بھی اسی کی غماز ہے، یہ یورپ کے لیے سب سے بڑا کانٹا ہے، کمال اتاترک کے ذریعہ سے ترکی کو جس راستہ پر ڈالا گیا تھا موجودہ اقتدار نے دوبارہ قدیم اسلامی ترکی کو بحال کرنے کی کوششیں شروع کی ہیں، وہ ان اسلام دشمن طاقتوں کے لیے سوہان روح ہے، کسی بھی اسلامی ملک کے لیے اس وقت اسلام کا نام لینا بھی جرم ہے، اور ایسا جرم کہ اس کی چولیں ہلادی جائیں، اور اس کے لیے ہر طرح کے ہتھکنڈے اختیار کیے جائیں، اکبر الہ آبادی نے خوب کہا تھا کہ

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کہ تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانہ میں

اس وقت جمہوریت بنام امریکہ، آزادی بنام یورپ ہے، جو وہ کہیں وہ جمہوریت ہے آزادی ہے، وہ خواہ کتنی ہی پابندی اور غلامی کی شکلیں ہوں، خواہ کیسا ہی اس میں جمہوریت کا گلا گھونٹا جارہا ہو!

ترکی میں جو بغاوت کرائی گئی محض اللہ کا فضل ہوا کہ وہ ناکا ہوئی، یقیناً اس میں طیب اردگان کی سوجھ بوجھ کا بھی بڑا حصہ ہے، لیکن سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ناسور موجود ہے، جو اندر ہی اندر پکایا جارہا ہے، مقابلہ بڑی طاقتوں سے ہے، لاٹھی کا گولی سے، ظاہر ہے اس صورت حال میں مزید حکمت عملی اختیار کرنے کی بھی ضرورت ہے، بہت پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت ہے، ذرا سی غفلت بہت پیچھے ڈھکیل سکتی ہے، اور مسئلہ صرف ترکی ہی کا نہیں، ہر جگہ مسلمانوں کو جس صورت حال کا سامنا ہے اور اپنوں کی عاقبت نا اندیشی نے مسلمانوں کو جس دھارے میں ڈال دیا ہے وہ بہت خطرناک صورت حال ہے، اس وقت بہت ہی اندر اندر اور بہت ہی ٹھوس اور مثبت محنت کی ضرورت ہے، جن کمیوں کے نتیجہ میں ہم اس صورت حال سے دوچار ہیں ان کمیوں کو دور کرنے کی ضرورت ہے، اور جذباتیت سے ذرا الگ ہو کر غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے، اور تاریخ کے گذشتہ اوراق سے سبق لینے کی ضرورت ہے، یورپ کہاں سے کہاں پہنچا، اس کے اسباب کیا ہوئے اور اس نے کون سا طریقہ کار اختیار کیا اور مسلمانوں کے آپس کے افتراق اور بے جا جذباتیت نے ان کو کہاں سے کہاں ڈھکیل دیا!

افسوس کی بات یہ ہے کہ آج پستی کے اس دور میں بھی وہ امراض ہم مسلمانوں میں پوری طرح موجود ہیں، بلکہ غیروں کی طرف سے ان کو بڑھاوا دیا جارہا ہے، معمولی معمولی باتوں پر جھگڑا اور ایک دوسرے کو کمزور کرنے کے لیے کوششیں ہی نہیں سازش کرنا ایک عام بات بن گئی ہے، یہاں تک کہ اس کے لیے غیروں سے مل جانا اور اپنوں کو ذلیل کرنا: ع کیا زمانہ میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

بڑے تحمل کی ضرورت ہے، غور وفکر کی ضرورت ہے، اور بڑی حکمت عملی کی ضرورت ہے، ہمارے پاس سب سے بڑھ کر سیرت طیبہ کا نمونہ ہے، اس کو سامنے رکھ کر ہی ہم آگے بڑھ سکتے ہیں، اور یہی اتحاد اسلامی کا بھی واحد راستہ ہے۔

اللہ کی گرفت

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

اللہ تعالیٰ دنیا میں ظالمین کو سزا دینے میں اس لیے تاخیر کرتا ہے تاکہ وہ راہ راست پر آجائیں، ورنہ ایک دن وہ ہوگا جس دن دنیوی نظام ختم کردیا جائے گا، اور ظالمین سے بدلہ لیا جائے گا، جن لوگوں کی اصلاح نہ ہوئی ہوگی ان کو کیفر کردار تک پہنچا دیا جائے گا، اللہ تعالیٰ نے اس زمین کو اسی مقصد کی خاطر بنایا تھا کہ لوگ یہاں اچھے کام کریں، لیکن جب بعض انسانوں نے یہ ثابت کردیا کہ وہ صرف عیش کریں گے، اپنی من مانی زندگی گذاریں گے اور زمین پر جو کچھ اللہ نے سہولتیں رکھی ہیں صرف ان سے فائدہ اٹھائیں گے اور اس کا حق ادا نہیں کریں گے، جب یہ بات طے اور بالکل ثابت ہوگئی، تو اب اس زمین کی ضرورت نہیں، لہٰذا اس وقت اس زمین کو توڑ دیا جائے گا، پہاڑ توڑ دیئے جائیں گے، ریزہ ریزہ کردیئے جائیں گے، یہاں تک کہ یہ پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح منڈلاتے نظر آئیں گے، اور زمین پھٹ جائے گی، اس کے اندر کا سارا لاوا باہر آجائے گا، قرآن مجید نے اس وقت کی جو تصویر کھینچی ہے بلاشبہ وہ بہت قابل عبرت ہے، فرمایا: اللہ تعالیٰ دنیا میں ظالمین کو سزا دینے میں تاخیر سے کام لے رہا ہے، اس دن کے لیے کہ جب نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، آدمی کی نگاہ ایک ہی طرف پھنس کر رہ جائے گی، ایسا منظر ہوگا کہ دیکھنے میں آدمی بے چین ہوجائے گا اور پاگل ہوجائے گا، وہ سب کچھ دیکھ رہا ہوگا مگر اس کو کچھ سمجھ نہیں آرہا ہوگا کہ کیا ہورہا ہے، نگاہ اٹھی کی اٹھی رہ جائے گی، ایسا شخص اس وقت اس فکر میں ہوگا کہ اس مصیبت سے نجات پانے کے لیے کہاں جائے؟ غرض کہ اس قسم کے لوگ اس وقت اپنے سروں کو اٹھائے ہوئے جانوروں کی طرح بھاگ رہے ہوں گے، ان کے دلوں کا حال یہ ہوگا کہ وہ بالکل بے قابو ہوچکے ہوں گے۔

قرآن مجید کی آیات میں اس دن کی منظرکشی کرنے کا مقصد یہی ہے کہ غافل لوگ کچھ ہوش میں آئیں، اور یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ اگر ابھی انہوں نے اس تاخیر سے فائدہ نہیں اٹھایا، اس دن کے آنے سے پہلے اپنے کو درست نہیں کیا تو اس دن سوائے شرمندگی اور گھاٹے کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا، اتمام حجت کے لیے منظرکشی کرنے کے بعد نبی پاک ﷺ کے ذریعہ کہلوایا گیا کہ آپ ان لوگوں کو اس روز سے ہوشیار کردو کہ جس روز اللہ کا عذاب آئے گا، واضح رہے کہ اس عذاب کی مختلف شکلیں ہوسکتی ہیں، خواہ وہ موت کی شکل میں آئے یا سکرات کی شکل میں، اس لیے کہ جب موت سے پہلے سکرات کا عالم شروع ہوتا ہے تو آدمی ختم ہوجاتا ہے، اور اخروی زندگی کی چیزیں نظر آنا شروع ہوجاتی ہیں، وہ دیکھتا ہے کہ فرشتے دم نکالنے کے لیے آرہے ہیں، غرض کہ اس عالم سے آدمی کا رشتہ اس قدر منقطع ہوجاتا ہے کہ وہ کسی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا، نہ ہی کچھ کہہ سکتا ہے، چنانچہ اس وقت جبکہ ساری حقیقت سمجھ میں آرہی ہوگی، برا انسان یہ دعا کرے گا کہ اے پروردگار! ہمیں ایک موقع دے دیجئے، اب ہم اپنی اصلاح کرلیں گے، ہم اچھے کام کریں گے، اللہ اس دن کے اعتراف کرنے سے پہلے ہی اس دن کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اے نبی (ﷺ)! ان ظالمین کو اس دن سے ڈرادو جب یہ لوگ تمام صورت حال کے واضح ہونے کے بعد مجبور ہوکر معافی کی دعائیں کریں گے، چنانچہ اس معافی سے متعلق بھی اللہ تعالیٰ صاف طور پر ارشاد فرماتا ہے کہ اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ کیا دنیا میں تم نے قسمیں نہیں کھائی تھیں کہ تم اپنی حالت کو نہیں بدلوگے، اپنے آبائی طور وطریق کو نہیں چھوڑوگے؟ کاش کہ اس دن تمہیں ذرا خیال آگیا ہوتا۔

گویا جو لوگ راہ راست سے ہٹے ہوئے ہیں، قرآن مجید میں ان کو مختلف طریقوں سے سمجھایا گیا ہے کہ شاید وہ لوگ صحیح راستہ پر آجائیں، ایک آیت میں عرب کو مخاطب کرکے فرمایا گیا کہ تم ان لوگوں کے علاقہ میں بھی رہ رہے تھے، جہاں قوموں پر عذاب آئے تھے، ان کی مسلسل نافرمانیوں کے نتیجہ میں ہم نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا تھا، یہ تمام چیزیں تمہارے عبرت حاصل کرنے کے لیے کافی تھیں، لیکن تم نے ان تمام باتوں کو مذاق سمجھا، ان کا مذاق بنایا، جب کہ تمہارے سامنے پوری حقیقت بیان کی جاچکی تھی، اب اگر تم نے اب بھی سمجھ سے کام نہ لیا تو تمہارا ابھی یہی حشر ہوگا...... (باقی صفحہ پر)

علم کی حقیقت

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

علم سے وابستہ ہونا غیر معمولی بات ہے، قرآن مجید نے سب سے پہلے اسی کے متعلق حکم دیا تھا کہ علم سے وابستہ ہو جاؤ، فرمایا گیا: ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾ (العلق:۱) (پڑھیے اپنے اس پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا) اسی سلسلہ میں اللہ کے رسول ﷺ کا بھی یہ فرمان موجود ہے "طلب العلم فریضة علی کل مسلم" (علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے) گویا یہ بات متعین ہوگئی کہ ہم سب علم سے وابستہ ہیں، لیکن جو چیز زیادہ سامنے ہوتی ہے، اور آدمی جس چیز کو برابر دیکھتا ہے یا سنتا ہے یا پڑھتا ہے، تو اس چیز کی حقیقت پر نگاہ نہیں جاتی، اور آدمی اس پر ذہن نہیں لگاتا، مثلاً: لفظ "علم" ہے، علم کس کو کہتے ہیں؟ وہ بھی اکثر و بیشتر ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ اگر ہم غور کریں تو علم سے تین چیزیں وابستہ ہیں، اگر یہ تین چیزیں نہ ہوں تو وہ علم کہلانے کا مستحق ہی نہیں ہے، علم کے معنی ہیں "دانستن" یعنی جاننا، تو ہم یہ سمجھ لیتے ہیں کہ علم نام ہے صرف جاننے کا، لیکن علم میں بھی تین لفظ ہیں، "ع" "ل" "م"، گویا "علم" خود اپنے تین حرفی سے یہ بتا رہا ہے کہ تین چیزوں سے مرکب جو چیز ہوگی، وہ علم ہوگا، تنہا "ع" یا "ل" یا "م" کا نام علم نہیں، بلکہ ع ل م کو جوڑنے سے علم بنتا ہے، لہٰذا جس طرح علم کے لیے تین حروف کا ہونا ضروری ہے، جن کے بغیر علم علم نہیں ہو سکتا، اسی طرح اس علم کے اجزاء کا موجود ہونا بھی نہایت ضروری ہے، وہ اجزاء یہ ہیں کہ انسان علم کے ساتھ عمل اور معرفت بھی رکھتا ہو، گویا "علم"، "عمل"، "معرفت" لازم ملزوم ہیں، جب ان تین اوصاف سے کوئی انسان مرکب ہوتا ہے تو اس کو عالم کہا جاتا ہے، اور اگر اس میں سے ایک بھی کم ہو جائے، تو گرچہ وہ شخص عالم ہوگا، لیکن نقص والا عالم ہوگا، اگر کسی شخص کے پاس علم نہیں ہے اور عمل و معرفت کا دعویدار ہے تو گویا وہ شخص سر کٹا ہونے کے مانند ہے، اسی طرح عمل یا معرفت نہیں ہے تو گویا وہ ایک بے روح جسم ہے، اگر تینوں چیزیں کسی کو حاصل ہوں تو وہ اس علم سے کما حقہ فائدہ اٹھانے والا بن سکے گا، کیونکہ اگر کسی شخص کو جنریٹر سے فائدہ اٹھانا ہو تو پہلے اس کے متعلق علم ہونا ضروری ہے، پھر اس سے تاروں کا کنکشن کرنا ضروری ہے، اور اسی کے ساتھ ان سب باتوں کا طریقہ معلوم ہونا بھی ضروری ہے، لہٰذا جو عالم علم جانتا ہے، لیکن عمل نہیں کرتا، اور عمل پر معرفت کا توسل نہیں ہوتا، تو بلاشبہ ایسا انسان عالم ہونے کے باوجود غیر عالم شمار ہوگا، ایک عالم کی شان یہ ہے کہ وہ علم پر عمل کرے، کیونکہ عالم باعمل کے دل پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے علم نور کے سوتے جاری ہو جاتے ہیں، اس کو زندگی کے کسی بھی میدان میں کوئی دشواری لاحق نہیں ہوتی، لیکن چونکہ آج کل ان باتوں کا فقدان ہے اسی لیے مدارس کی تعداد بڑھ رہی ہے، طلباء اور معلمین کی تعداد میں بھی بدستور اضافہ جاری ہے، مگر ان تمام باتوں کے ساتھ ملک وملت کو جو فائدہ پہنچنا چاہیے تھا وہ نہیں پہنچ رہا ہے۔

افسوس کی بات ہے کہ آج ہم لوگ محض ہر چیز کے جاننے کے چکر میں پھنس گئے ہیں اور اس کے بعد دو اہم مراحل (عمل، معرفت) سے صرف نظر کر جاتے ہیں، حالانکہ قرآن وحدیث میں علم وعمل دونوں ہی مقصود ہیں، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "من علم وعمل فقد تعلم" اس سے معلوم ہوا کہ علم کے ساتھ پریکٹکل بھی ضروری ہے، اسی بات کو حدیث شریف میں یوں فرمایا گیا: "خیر کم من تعلم القرآن وعلمه" یعنی تم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جو قرآن کا علم حاصل کرے پھر اس کو پریکٹیکل میں لائے۔

قرآن وحدیث کے علوم کو حاصل کرنے اور سکھانے کے لیے حسن عمل کا ہونا نہایت ضروری ہے، اگر کوئی شخص متبع سنت نہ ہو اور حدیث پڑھاتا ہو تو یہ اچھی بات نہیں، اس لیے کہ حدیث اور اتباع سنت لازم ملزوم ہیں، اسی طرح علم دین کے ذریعہ اللہ کی رضا چاہنا بھی ضروری ہے، بغیر اس کے ایسے علم کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ حدیث شریف میں اصل علم والا شخص اسی کو کہا گیا ہے جو اللہ کے لیے علم حاصل کرے، اگر کوئی شخص دنیاوی غرض سے دینی علوم حاصل کرتا ہے، اس کے لیے بڑے سخت الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، فرمایا گیا ہے کہ ایسا شخص جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔

سیرت نبوی ﷺ

قرآن کریم کے آئینہ میں

بلال عبدالحی حسنی ندوی

عظمت مصطفی ﷺ

عظمت مصطفی ﷺ کا تقاضہ تھا کہ سماجی زندگی میں بھی ان باریکیوں پر نگاہ رکھی جائے، جن کا خیال بھی عام زندگی میں نہیں ہوتا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بڑھ کر کون ہوگا محبت کرنے والا، جو عظمت رسول ﷺ ان کے دلوں میں تھی وہ کس کے دل میں ہوگی، واقعات اس کے گواہ ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جابجا آپ ﷺ کے حق عظمت کو بیان کیا ہے اور آپ ﷺ کی شان میں ادنی بے ادبی اور گستاخی کو کفر قرار دیا ہے، صحابہ کو خطاب کرکے اس میں پوری امت کو مخاطب کیا جارہا ہے، ارشاد ہوتا ہے:﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ...... ﴾ (الحجرات: ۱-۲) (اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے مت ہوا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بلاشبہ اللہ خوب سنتا، خوب جانتا ہے۔ اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند مت کیا کرو، اور جس طرح تم ایک دوسرے کو زور زور سے پکارتے ہو اس طرح نبی کو زور سے مت پکارا کرو کہ کہیں تمہارے سب کام بیکار چلے جائیں اور تمہیں احساس بھی نہ ہو)۔

عام سماجی زندگی میں گفتگو کے دوران آواز کا بلند ہوجانا کوئی خاص بات نہیں ہے، مگر کمال ادب ملحوظ رکھنے کی تاکید کی جارہی ہے، یہ آپ کی ذات والاشان کے مناسب نہیں کہ آواز آپ کے سامنے بلند کی جائے، آپ کی شان میں ادنی سے ادنی بے ادبی و گستاخی کفر کا پیش خیمہ ہے، پھر اعمال حبط ہوجاتے ہیں، اس لیے کہ کفر وشرک کے ساتھ اعمال بے کار ہوجاتے ہیں، ان کا وزن نہیں رہ جاتا۔

صحابہ کے واسطہ سے امت کو تلقین کی گئی ہے کہ آپ ﷺ کے بارے میں انتہائی ادب واحترام ہونا چاہیے، سلوک و گفتگو میں کوئی انداز ایسا نہ اختیار کیا جائے جو آپ کی تکلیف کا ذریعہ بن جائے

گفتگو میں احتیاط

یہودیوں کا خیال تھا کہ نبی بنواسرائیل ہی میں آسکتا ہے، آنحضور ﷺ کی نبوت کا ان کو یقین تھا، لیکن محض اس ہٹ دھرمی میں کہ نبی اسماعیل میں کیسے آگیا وہ آپ کی نبوت کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھے، بلکہ ان کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی تھی کہ وہ آپ ﷺ کو نقصان پہنچائیں، وہ آپ ﷺ کی مجلسوں میں آتے تو بھی ناپاک حرکتوں سے نہ چوکتے، بات توجہ سے نہ سنتے اور کہتے "راعنا" اور "راعنا" کو "راعینا" کھینچ کر کہتے، اور اپنے دل کے پھپھولے پھوڑتے، "راعنا" کے معنی ہیں "ہماری رعایت کردیجئے" وہ اس کو "راعینا" بنادیتے، یعنی "اے ہمارے چرواہے"، معاذ اللہ! اللہ نے ارشاد فرمادیا کہ اب کوئی "راعنا" کا لفظ بھی استعمال نہ کرے تاکہ یہودیوں کو اس کا موقع ہی نہ ملے، ارشاد ہوا:﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾ (البقرة: ۱۰۴) (اے ایمان والو! "رَاعِنَا" مت کہا کرو "اُنْظُرْنَا" کہا کرو اور سنتے رہا کرو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے)

اس آیت شریفہ سے ایک اصول سامنے آتا ہے کہ اہل ایمان کو ایسے تمام کاموں سے بچنا چاہیے جن کو ذریعہ بنا کر دوسروں کو آنحضور ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کا موقع ملے، مسلمانوں کو بہت محتاط زندگی گذارنے کی ضرورت ہے تاکہ کسی کو انگلی رکھنے کی گنجائش نہ رہے۔

بے جا سوالات سے پرہیز

امت کو اس سے بھی روک دیا گیا کہ نبی سے ہر قسم کے بے جا سوالات کیے جائیں کہ یہ ایک طرف نبی ﷺ کی اذیت کا ذریعہ

ہے اور آپ کی شان وعظمت کے منافی ہے، تو دوسری طرف اس میں سوالات کرنے والوں ہی کے لیے نہیں بلکہ پوری امت کے لیے نقصان ہے، احکامات میں شدت کا خطرہ ہوتا ہے، جو چیز فرض نہیں ہوتی ڈر ہوتا ہے کہ اس کو فرض نہ کر دیا جائے، ایک مرتبہ ایک صحابی نے آپ ﷺ سے مختلف سوالات کیے، یہاں تک کہ یہ سوال کیا کہ کیا حج ہر سال فرض ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ زیادہ سوالات نہ کرو، اگر میں کہہ دیتا کہ ہاں ہر سال فرض ہے، تو فرض کر دیا جاتا، قرآن مجید میں یہ آیتیں اتریں: ﴿أَمْ تُرِيدُونَ أَن تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَى مِن قَبْلُ...... ﴾ (البقرة: ۱۰۸) (کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے ویسے ہی سوال کرو جیسے پہلے موسیٰ سے سوال کیے جا چکے، اور جو بھی ایمان کو کفر سے بدلے گا تو وہ سیدھے راستہ سے بھٹک گیا)

بنی اسرائیل کو جب گائے ذبح کرنے کا مطلق حکم دیا گیا، تو یہ بڑا آسان کام تھا، مگر انہوں نے سوال در سوال کر کے اس کو اپنے لیے مصیبت بنا لیا، ان کے سوالات سے لگتا یہ تھا کہ وہ کرنا ہی نہیں چاہتے، اللہ فرماتا ہے: ﴿وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ﴾ (البقرة: ۷۱) (اور لگتا نہ تھا کہ وہ ایسا کر لیں گے)

دوسری آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِن تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾ (المائدة: ۱۰۱) (اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں مت سوال کرو کہ اگر وہ تمہارے لیے کھول دی جائیں تو تمہیں بری لگیں اور اگر تم اس وقت ان کے بارے میں پوچھو گے جس وقت قرآن نازل ہو رہا ہے تو وہ تمہارے لیے کھول دی جائیں گی اللہ نے ان کو معاف کر رکھا ہے اور اللہ تو بڑی مغفرت فرمانے والا بڑا حلیم ہے)

نزول قرآن کے وقت اس طرح کے سوالات اس لیے نامناسب تھے کہ بہت سی باتیں ظاہر کیے جانے کے قابل نہ تھیں، سوالات کے نتیجہ میں ان کو ظاہر کیا جانا جو لوگوں کو برا لگتا اور پھر اس طرح کے بے جا سوالات عظمت نبوت کے منافی تھے، اس لیے ان سے روک دیا گیا۔

انتہائی لحاظ رکھنے کی تاکید

حضرت زینب رضی اللہ عنہ سے نکاح کے بعد آپ ﷺ نے ولیمہ کا اہتمام فرمایا، کچھ لوگ پہلے ہی آ کر بیٹھ گئے اور کھانے کے بعد بھی دیر تک بیٹھے رہے، یہ پردہ سے پہلے کی بات ہے، اس سے آپ ﷺ کی مشغولیت پر فرق پڑا اور آپ ﷺ کو تکلیف پہنچی، مگر یہ ان کی شان رحمت اور انتہائی شفقت تھی کہ آپ ﷺ نے کچھ نہ فرمایا، تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَن يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا ......﴾ (الأحزاب: ۵۳) (اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل مت ہو جب تک تمہیں کھانے کے لیے اجازت نہ مل جائے، اس کے پکنے کی راہ دیکھتے نہ رہو، ہاں جب تمہیں بلایا جائے تو داخل ہو پھر جب کھا چکو تو اپنی اپنی راہ لو، باتوں میں جی لگاتے مت بیٹھو، یقیناً یہ چیز نبی کو تکلیف پہنچاتی ہے بس وہ تم سے شرم کرتے ہیں اور اللہ کو ٹھیک بات کہنے میں کوئی شرم نہیں، اور جب تم ان سے کوئی سامان مانگو تو پردہ کے پیچھے سے ان سے مانگ لو، یہ چیز تمہارے دلوں کے لیے بھی زیادہ پاکیزگی (کا باعث) ہے اور ان کے دلوں کے لیے بھی اور تمہیں اس کی اجازت نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ کہ ان کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح کرو، یقیناً یہ اللہ کے یہاں بڑی سنگین بات ہے)

اس آیت کا مرکزی مضمون یہی ہے کہ کسی بھی حیثیت سے کوئی ایسی صورت نہ اختیار کی جائے جو آنحضور ﷺ کو تکلیف پہنچا دے کہ یہ بڑی سنگین بات ہے، اور اس کے نتیجہ میں حبط اعمال ہوتا ہے اور ایمان نکل جاتا ہے۔

اس آیت میں پردہ کا بھی حکم دیا گیا اور یہ بھی بتا دیا گیا کہ آپ ﷺ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات سے نکاح کرنا بھی کسی کے لیے درست نہیں کہ وہ سب امت کی مائیں ہیں، اس عمل کو سنگین قرار دیا گیا کہ یہ چیز آپ ﷺ کی تکلیف کا ذریعہ بن سکتی تھی۔

امت پر آنحضور ﷺ کے حقوق میں سے یہ بات انتہائی اہم ہے کہ آپ ﷺ کی عظمت اور ادب کے منافی کوئی بھی عمل اختیار نہ کیا جائے اور انتہائی درجہ آپ ﷺ کا لحاظ ہو۔ (جاری)

تعلیمی بیداری کی ضرورت

مولانا عزیز الحسن صدیقی

ہمارا رہنما قرآن کے سوا کوئی اور نہیں ہے، اگر کوئی سوچتا ہے کہ ہمارے رہنما تو فلاں پارٹی کے فلاں صاحب ہیں جو گورنمنٹ تک ہماری بات پہنچاتے ہیں، کوٹہ پرمٹ دلوادیتے ہیں اور ہمارے بہت سارے کام کروادیتے ہیں تو ہم بلا جھجک کہنے کے لیے تیار ہیں کہ ایسی سوچ رکھنے والے بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں، بلاشبہ کسی ضرورت مند کی مدد کرنا، مسافروں کو راستہ بتادینا، مریض کی خدمت وعیادت کرنا، نیکی اور ثواب کا کام ہے، لیکن رہنمائی تو اللہ کے کلام ہی سے ہوگی، جو ہماری پوری زندگی کو محیط (گھیرے ہوئے) ہے، اور زندگی کے ہر مرحلے اور ہر موڑ پر ہماری رہنمائی اور دست گیری کے لیے موجود ہے، ہمیں دین اور دنیا کے سارے مسائل اور معاملات میں اسی سے مدد اور رہنمائی حاصل کرنی چاہیے، لیکن افسوس کی بات ہے کہ ہم نے قرآن کو جہیز کا ایک آئٹم بنالیا ہے اور اس کو مخملی جزدانوں میں لپیٹ کر اونچی سے اونچی جگہ پر رکھ دیتے ہیں تاکہ اس پر آسانی سے ہاتھ بھی نہ پہنچ سکے، ایک جائزے کے مطابق جو حال ہی میں لیا گیا ہے پچاس فیصد سے زائد مسلمان قرآن یا تو پڑھے ہوئے نہیں ہیں یا پڑھے ہوئے ہیں تو ناقص پڑھتے ہیں، کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہم کاروبار کرتے وقت لین دین کے موقعوں پر، آپسی جھگڑوں کو نمٹاتے وقت یا شادی بیاہ کے موقع پر یا میاں بیوی کے درمیان نزاع ہونے کی صورت میں قرآن سے مدد لیتے ہیں؟ ہمارا اندازہ ہے کہ فی زمانہ عام طور سے مسلمان دار القضاء اور علمائے دین سے رجوع کرنے کے بجائے دنیاوی عدالتوں کا رخ کرتے ہیں، آپ جانتے ہیں کہ ایسا کیوں ہوتا ہے، ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ دنیاوی قوانین ان کو نفع بخش اور راحت رساں نظر آتے ہیں جب کہ عدالت مجاز میں سرمایہ اور وقت کا زبردست نقصان ہوتا ہے، اور وقت بھی زیادہ صرف ہوتا ہے، خصوصیت کے ساتھ خواتین اپنے شوہروں کے خلاف چارہ جوئی کی خاطر انہیں عدالتوں سے رجوع کرتی ہیں، اور اسلامی شریعت کے خلاف فیصلہ کرا کے خوش ہوتی ہیں کیونکہ ایسے فیصلے دنیاوی اعتبار سے سود مند اور فائدہ بخش نظر آتے ہیں اور نفس بھی خوش ہوتا ہے۔

ہم کاروبار و تجارت ہی نہیں، بازار سیاست اور شیئر بازار کی بھی خبر رکھتے ہیں، یورپ و امریکہ اور چین و جاپان میں کیا ہورہا ہے، روس کدھر جارہا ہے، ہم یہ بھی جانتے ہیں لیکن اپنی موجودہ اور آئندہ نسلوں کے دینی مستقبل کی طرف سے بالکل غافل ہیں، ہمارے پورے تعلیمی نظام کو بدل دینے کی کوششیں کی جارہی ہیں، مہاراشٹر کی حکومت نے بڑے جانور کے ذبیحہ پر پابندی عائد کردی تو ہم نے اس پر احتجاج کیا، بے شک ہمیں اس کا حق تھا اور کرنا ضروری تھا مگر اسی حکومت نے دینی مدرسوں کی تعلیم کو ناقص اور غیر معیاری قرار دے کر انہیں تسلیم کرنے سے انکار کردیا تو ہم ایک دم خاموش بیٹھے رہے جب کہ حکومت مہاراشٹر کا یہ اقدام دستور ہند میں دیئے گئے حقوق و تحفظات کے خلاف تھا اور ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ آزادی کے بعد ہی سے حکومتیں نصاب و نظام تعلیم میں ایسی تبدیلیاں کرتی چلی آرہی ہیں کہ اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم حاصل کرنے والا کوئی بھی بچہ اپنے مذہب کے بارے میں کچھ نہ جانے مگر ویدک دھرم کے بارے میں ضرور جانے اور غلط تاریخ پڑھ کر اپنے دین، اپنے عقائد اور اپنی تہذیب سے تعلق ہوجائے مگر آج جو لوگ مسند اقتدار پر براجمان ہیں، یہ سوچ رہے ہیں کہ آئندہ موقع ملے یا نہ ملے لہٰذا تعلیمی اداروں میں یوگا، سوریہ نمسکار، وندے ماترم، بھومی پوجن اور دوسرے مشرکانہ اعمال کو وہ جبراً رواج دینا چاہتے ہیں، مدرسوں اور مکتبوں کے پر کترنے کی تیاریاں ہیں، جو لوگ یہ سب کچھ کررہے ہیں وہ جانتے ہیں کہ مدارس و مکاتب میں بچہ قرآن پڑھ لیتا ہے، اسلامی کتابیں پڑھتا ہے، اردو سیکھ لیتا ہے، لہٰذا مدارس کے خلاف ایسے قوانین اور ضوابط بنادیئے جائیں کہ ان کا مقصد وجود ہی فوت ہوجائے اور مسلمانوں کا ان سے رشتہ منقطع ہوجائے۔

کیا ہم ان سازشوں سے کما حقہ واقف ہیں جو ہمارے تعلیمی ڈھانچہ کو توڑ پھوڑ کر رکھ دینے والی ہیں؟ اگر آپ اخبارات کا مطالعہ کرتے ہوں گے تو آپ کو ان تمام اقدامات کا ضرور علم ہوگا، جو ہمارے دین، ہمارے عقائد، ہماری زبان اور تہذیب کو چھین لینے والے ہیں، مفکرین و ماہرین تعلیم کا خیال ہے کہ جس قوم کی زبان کو مٹانا ہو اس کا رسم الخط چھین لو، وہ آپ سے آپ فنا ہوجائے گی، یہاں

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا آپ کا رسم الخط (لپی) محفوظ ہے؟

پون صدی پہلے وسط ایشیا کے وہ ممالک جنہیں قزاقستان، ترکستان، ازبکستان اور تاجکستان کہا جاتا ہے، جہاں امام بخاری، امام ترمذی، امام مسلم جیسے ائمہ اور بزرگ پیدا ہوئے، جہاں سے علم دین کی روشنی پورے عالم میں پھیلی، پون صدی تک یہ پورا علاقہ سوویت یونین میں شامل رہا، اور وہاں سے اسلام، اسلامی علوم اور اسلامی تہذیب کو حرف غلط کی طرح مٹا ڈالا گیا، عربی زبان خلاف قانون قرار پائی، قرآن پڑھنا ممنوع ٹھہرا، اور قرآن پڑھانے والے جیلوں میں بند کئے گئے، سینکڑوں علماء کو پھانسی دے دی گئی، تاشقند کے ایک عالم کہتے ہیں کہ ہم نے کمیونسٹ حکومت کے ظالمانہ فیصلوں کو درکنار کرتے ہوئے فیصلہ کیا کہ کم از کم ہر گھر کا ایک بچہ ضرور حافظ قرآن بنے گا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک ترکیب ہمارے دل میں ڈالی کہ ہم اپنی آبادی کے قبرستان میں ایک قبر کھودتے تھے اور مصنوعی جنازہ لے کر جاتے تھے، جس کے اندر کوئی میت نہیں ہوتی تھی، ساتھ میں کچھ لوگ ہوتے تھے اور دس پندرہ بچے بھی ہوتے تھے، دیکھنے والے سمجھتے تھے کہ جنازہ جا رہا ہے اور مرنے والے کے خاندان والے تدفین کی غرض سے جا رہے ہیں، پھر یہ لوگ قبر میں اتر کر صفائی کرتے تھے اور موم بتی روشن کرتے تھے اور ایک استاد اور چند بچے قبر میں بیٹھ کر قرآن حفظ کرتے تھے، اگر اس عمل کے دوران کسی مخبر یا سرکاری کارندوں کے آنے کا خطرہ محسوس ہوتا تو ان لوگوں نے ایسے انتظام کر رکھے تھے کہ ایسے وقت خبر ہو جاتی تھی اور قبر سے پڑھنے پڑھانے والے نکل آتے تھے اور جلدی جلدی قبر کو بند کر کے مٹی ڈال دی جاتی تھی، رات میں کسی کے آنے کا امکان کم ہوتا تھا اس لیے لوگ رات بھر قبر کے اندر پڑھتے پڑھاتے تھے، اس طرح ان علاقوں میں قرآن اور ایمان کی حفاظت اللہ کے بندوں نے کی ہے۔

ترکی میں جب سیکولر نظریات عام ہوئے اور اسلام مطعون قرار پایا تو اسلامی فکر کے احیاء کے لیے جن شخصیتوں نے اذیت و مصائب کے اندھیروں میں عزیمت واستقامت کی شمع روشن رکھی ان میں استاد بدیع الزماں نورسی کا نام نمایاں حیثیت رکھتا ہے، انہوں نے قرآن کریم کو اپنی فکر کی بنیاد بنا کر جدید ذہنوں کو متاثر کیا اور ملک بھر میں درسانے (درسگاہیں) قائم کر کے دینی فکر اور دینی علم اور اسلامی تربیت کا زبردست اہتمام کیا، آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہی ترکی رجب طیب اردوغان اور داؤد اوغلو کی سرکردگی میں دینی و دنیاوی ترقی کے اعلیٰ مدارج طے کر رہا ہے، اور مغربی طاقتوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کر رہا ہے، آپ واقف ہیں کہ وطن عزیز ہند کی آزادی کے بعد جب سیکولرازم کے پردے میں ایک خاص دھرم کی تعلیم اور تہذیب کو عام کیا جانے لگا تو ہمارے اسلاف نے ترکی کے طرز پر مکاتب کا جال ملک میں پھیلا دیا، آپ انہیں حقیر مت سمجھئے، ان کی قدر کیجئے، ان سے فائدہ اٹھائیے۔

آپ پر ایسا وقت نہیں آیا اور خدا کرے کہ کبھی نہ آئے، آپ اللہ کا جتنا شکر ادا کریں کم ہے کہ آپ اتنے سخت امتحان میں نہیں ڈالے گئے، لیکن کیا آپ دین سے، قرآن سے اور دینی مشاغل سے اسی طرح غفلت برتتے رہیں گے تو آپ کے اوپر سکینت کا نزول ہوتا رہے گا؟ اور ایسے خطرات کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا؟

ابھی ہم آپ کو تاشقند (جہاں پون صدی تک کیمونزم کی سرخ آندھی چلتی رہی) کا ایک عبرت انگیز واقعہ سنا رہے تھے، اب ہم آپ سے سوال کرنا چاہتے ہیں کہ کیا اس واقعہ کو سن کر آپ کے قلب میں کوئی اضطرابی کیفیت پیدا ہوئی اور کیا آپ نے تاشقند کے ایک عالم دین کے فیصلہ جیسا کوئی فیصلہ کیا کہ کم از کم ہر گھر کے ایک بچہ کو حافظ قرآن بنائیں گے؟ اگر نہیں کیا تو کیا مستقبل قریب میں بھی نہیں کریں گے؟ کیا آپ ہواؤں کا رخ نہیں دیکھ رہے ہیں:

ہوائیں چاہتی ہیں موسم تیرہ شبی رکھنا
چراغوں سے ذرا کہہ دو ارادوں کو جواں رکھنا

اگر آپ نے قرآنی تعلیم اور اپنی مادری زبان سے دوری بنائے رکھی اور اپنے بچوں کو لادینی اسکولوں میں داخل کرتے رہے تو وہ دن دور نہیں جب کہ آپ کی اولاد خدانخواستہ آپ کی نگاہوں کے سامنے دین سے برگشتہ ہو جائے گی۔ اس کے ذہن کی سادہ تختی پر کفر و شرک کے نقوش بٹھائے جا رہے ہیں، مگر آپ اس درجہ غافل ہیں کہ اپنی گود کے پالے ہوئے بچوں کو دینی مکتب یا مدرسہ کے بجائے ششو مندر، سینٹ جان اور سینٹ میری یا گاؤں میں چلنے والے سرکاری یا غیر سرکاری لادینی اسکولوں اور پاٹھ شالاؤں میں داخل کر رہے ہیں جہاں نہ کلمہ سکھایا جاتا ہے، نہ قرآن اور اردو پڑھائی جاتی ہے بلکہ برہمنی عقائد اور عیسائیت کی تلقین کی جاتی ہے!

منصب قیادت

قرآن کریم کی روشنی میں

عبدالسبحان ناخدا ندوی

قیادت کے دو متضاد تصورات

امامت و ہدایت کا منصب در حقیقت انبیاء علیہم السلام کی جانشینی کا نام ہے، قوموں کی ہدایت سے متعلق حضرات انبیاء علیہم السلام کے تربیتی و دعوتی کردار کو قرآن کریم جس انداز سے پیش کرتا ہے وہی اوصاف در حقیقت منصب امامت کے لیے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، یہ اوصاف زمانہ اور ماحول کے دائرے میں مقید نہیں ہوتے، بلکہ ان کی پاکیزگی و بلندی ہر زمانہ و ماحول پر چھائی نظر آتی ہے، لوگوں نے قیادت و سیادت کو ماحول و حالات کے ساتھ اس قدر پیوست کر دیا ہے کہ قائد بھی حالات کی گھیرابندی میں مقید مجبورِ محض شخص نظر آتا ہے، بالخصوص سیاسی قیادت نے لفظ قیادت کو مکاری، ہوشیاری، اور مفاد پرستی بلکہ آگے بڑھ کر منافقت کا مترادف بنا دیا ہے، اسی طرح مروجہ جمہوریت نے عوام کو خدا کی حیثیت دے کر قیادت و امامت کا مطلب عوامی خواہشات میں ڈھل جانے کا لیا ہے، عوامی قیادت میں ذاتی کردار و اوصاف کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہی، جو جتنے زیادہ پرکشش نعرے لگائے، پرفریب وعدے کرے، مکاری کی بنیاد پر تعلقات قائم کرے اور منافقانہ زندگی کو اصل زندگی قرار دے وہی قائدِ عوام ہے، یہ قیادت کا مغربی تصور ہے، جس میں ہوا کے موافق چلنے میں مہارت قیادت کا اصل تھرمامیٹر ہے، جس کی اپنی کوئی شخصیت نہ ہو، جو جمہور کی خواہشات میں ڈھلنے کا ہنر جانتا ہو اس سے بہتر قائد کون ہو سکتا ہے۔

قرآن کا تصور قیادت

قرآن کریم قیادت کو منصب امامت و ہدایت سے وابستہ کرتا ہے، اور قائد کی شخصیت کے لیے ان اوصاف کو لازم کرتا ہے جو ہر دور میں ضروری رہے ہیں، جن کے بغیر منصب امامت کا تصور ہی ممکن نہیں، در حقیقت قرآن کریم منصب امامت کو منصب نبوت کی جانشینی قرار دیتا ہے، لہٰذا جو لوگ ہدایت کی مشعل فروزاں کرنا چاہتے ہیں ان کے لیے وہی راستہ قرآن کریم کی طرف سے متعین کیا گیا ہے جو حضرات انبیاء علیہم السلام کا راستہ تھا۔

حضرات انبیاء کی تربیت براہ راست اللہ رب العزت کی طرف سے ہوتی ہے، اس لیے ان کے اوصاف کو زمانہ اور حالات کے ساتھ مقید نہیں کیا جا سکتا، نہ ان کو کسی خاص دور کے ساتھ محدود کیا جا سکتا ہے، یہ انتہائی اعلی انسانی اقدار ہوتے ہیں جو انسانیت کے لیے معیار کمال ہیں، اور یہ بات ہر کوئی جانتا ہے کہ زمانوں کی تبدیلی سے انسانی کمالات کے معیار بدلتے نہیں ہیں، اسی لیے حضرات انبیاء علیہم السلام کی شخصیتیں ہر دور میں آئیڈیل رہی ہیں، بالخصوص جن لوگوں کو ہدایت و امامت کے منصب پر فائز ہونا ہے، ان کے لیے تنہا وہی آئیڈیل ہیں، ان مقدس ہستیوں کے راستے سے ہٹ کر جس طرح کی قیادت وجود میں آتی ہے، وہ حقیقی قیادت نہیں ہوتی، بلکہ انسانوں کے استحصال کی پرفریب شکلیں ہوتی ہیں جن کو بدقسمتی سے قیادت اور رہنمائی کا نام دیا جاتا ہے۔

مفادات سے بالاتری

قرآن کریم کی روشنی میں دیکھا جائے تو منصب امامت و ہدایت کے لیے سب سے بنیادی شرط "مفادات سے بالاتری" ہے، انسانوں سے کسی طرح کا مفاد وابستہ کر کے انسانوں کی رہنمائی کا کام انجام نہیں دیا جا سکتا، عقلی طور پر بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جن لوگوں سے ہمارا مفاد جڑا ہوا ان کی ہم کیا خدمت کر سکتے ہیں، انسانوں سے کسی طرح کے مفاد کو وابستہ رکھنا در حقیقت ان کی غلامی کرنا ہے اور جن کی غلامی کی جائے ان کی قیادت نہیں کی جا سکتی، پیشوائی اور مفادات کا تحفظ دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام انبیاء علیہم السلام کو ہر طرح کے مفادات سے بالاتر رکھا، تاریخ شاہد ہے اور کتاب و سنت گواہ ہیں کہ کسی نبی نے کبھی بھی اپنی قوم سے اپنے کسی ذاتی مفاد کو وابستہ نہیں رکھا، مفادات سے وابستگی سے زبانوں پر قفل چڑھ جاتے ہیں، اور کلمۂ حق کا حوصلہ نہیں رہتا، غلط کام کو غلط کام کہنے کی جرأت جاتی رہتی ہے، اور بزدلانہ مصلحت آمیزی وجود میں آتی ہے، جو بالآخر جی حضوری، چاپلوسی، اور ابن الوقتی پر جا کر ختم ہوتی ہے، طمع و لالچ کی غیر مرئی زنجیروں میں انسان جکڑ جاتا ہے، قوموں کی قیادت کے بجائے ان

کی غلامی کے طوق اس کے حصے میں آتے ہیں، اسی لیے لگ بھگ ہر نبی کی زبان سے اللہ نے ببانگ دہل اس کا اعلان فرمایا کہ میں تم سے کسی اجر کا طلب گار نہیں، سوائے رب العالمین کے میرا اجر دے بھی کون سکتا ہے؟ گویا یہ کہا گیا کہ تم سب مل کر بھی اس عظیم منصب و کام کا اجر تلاش کرو تو بالاتر ہے اس کا عوض اس روئے زمین پر کہاں تلاش کروگے؟ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: ﴿یَا قَوْمِ لا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالاً إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللهِ﴾ حضرت ہود نے کہا: ﴿يَا قَوْمِ لا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْراً إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ أَفَلَا تَعْقِلُوْن﴾ حضرت صالح فرماتے ہیں: ﴿وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِيْن﴾ حضرت شعیب علیہ السلام قوم سے یوں مخاطب ہیں: ﴿وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِيْن﴾ یہی بات حضرت لوط فرماتے ہیں۔

سورۂ یٰس میں جس مؤمن کا تذکرہ ہے وہ تو حضرات انبیاء کے اس وصف کو دلیل بنا کر قوم کو دعوت ایمان دیتا ہے: ﴿يَا قَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ☆ اتَّبِعُوا مَنْ لَّا يَسْأَلُكُمْ أَجْراً وَهُم مُّهْتَدُوْنَ﴾ (میرے بھائیو! رسولوں کا اتباع کرو، ان کے پیچھے چلو جو تم سے کسی طرح کا بدلہ نہیں چاہتے ہیں اور صحیح راستہ پر گامزن ہیں) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو آخری درجہ کی بات کہلوائی گئی: ﴿قُلْ مَا سَأَلْتُكُم مِّنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللهِ﴾ (کہیے اگر میں نے تم سے کوئی اجر مانگا بھی ہو تو وہ بھی تمہارا ہے، میرا اجر تو صرف اور صرف اللہ کے ذمہ ہے) یعنی تم مجھے دے بھی کیا سکتے ہو؟ بہت بڑا بدلہ اگر تم اپنی دانست میں مجھے دے سکتے ہو تو یہی کہ ایمان لاکر مجھے خوش کردو، اس کا فائدہ بھی درحقیقت تمہیں کو پہنچے گا کہ جہنم سے بچ جاؤگے، مجھے کار نبوت کی انجام دہی کا بدلہ تو اللہ کی طرف سے ملنے والا ہے بھلا تم مجھے کیا دوگے؟

ایثار و قربانی اتحاد و قیادت کی بنیاد

یاد رکھنے کی بات ہے کہ مفادات کی بنیاد پر نہ صحیح قیادت وجود میں آسکتی ہے اور نہ پائیدار اتحاد قائم ہوسکتا ہے، بے لوث قیادت قربانی چاہتی ہے، اور حقیقی اتحاد ایثار و انسانیت سے قائم ہوتا ہے، اگر مال و دولت کے ڈھیر لگا کر حرص و ہوس کو ہوا دے کر اتحاد قائم ہوسکتا تو اللہ ہرگز یہ نہ فرماتا: ﴿لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعاً مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اللهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ﴾ (اللہ نے ان کے دلوں میں الفت ڈال دی، اگر آپ روئے زمین کا سب کچھ خرچ کر ڈالتے تب بھی ان میں الفت پیدا نہیں کرسکتے تھے لیکن اللہ نے ان میں الفت پیدا کی) اللہ نے یہ الفت ایثار و قربانی کے جذبہ کو بیدار کرکے ان میں پیدا کی تھی ﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُوا الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوْتُوا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ (جن انصار نے مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی مدینہ کو اپنا گھر بنایا اور ایمان کو بھی اپنے دل میں بسایا وہ ہجرت کرکے آنے والوں سے بڑی محبت کرتے ہیں، اور ان کو جو بھی دیا جائے اس پر اپنے دل میں کوئی حسرت نہیں رکھتے ہیں، اور ان مہاجرین کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں، بھلے ان کو فقر و فاقہ ہی کیوں نہ جھیلنا پڑجائے) اتحاد اس طرح قائم ہوتا ہے اور آئندہ بھی اسی طرح قائم ہوگا، مفادات کی غلامی اور فائدے کشید کرنے کی نیت سے جو وابستگی ہوتی ہے وہ اتحاد نہیں بلکہ اتحاد کا ڈھونگ ہے، یا منافقانہ اتحاد ہے، آزمائش کی پہلی آنچ ہی میں سارا اتحاد پگھل جاتا ہے، اور اندر کے کینے ابھر کر سامنے آجاتے ہیں، بات کیا چل رہی تھی اور کہاں پہنچ گئی، خیر اللہ ہم سب کو معاف کرے، کتاب و سنت کی روشنی کو چھوڑ کر آخر ہم کہاں کہاں بھٹک رہے ہیں، اللہ رحم فرمائے۔

خیر خواہی

دوسری بنیادی شرط خیر خواہی ہے، جو درحقیقت قربانی اور مفادات سے بالاتری سے وجود میں آتی ہے، اس کے بغیر ہدایت و قیادت کا اہم ترین کام انجام نہیں دیا جاسکتا، اس کے لیے عربی زبان میں "نصح" کا لفظ استعمال ہوتا ہے، جس کا مطلب خلوص و خیر خواہی کے مجموعے کا ہے، جن لوگوں کی قیادت کا فریضہ اسے سونپا گیا ہے، ان کے تئیں حد درجہ خلوص اور ان کی سچی خیر خواہی کرنے والے کو "ناصح" کہتے ہیں، اردو میں نصیحت کرنے والے کو ناصح کہا جاتا ہے، جب کہ عربی میں ایسا نہیں ہے، انتہائی درجہ کی پرخلوص خیر

خواہی کو "نصح" یا "نصیحة" کہتے ہیں، انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایسا دردمند دل دیا تھا کہ قوم کی بے راہ روی پر وہ تڑپتے تھے، اور ان کی آخری درجہ کی کوشش یہی ہوتی کہ کسی نہ کسی طرح قوم راہ راست پر آجائے، اس کے لیے آخری درجہ کی قربانی دینے کے لیے وہ ہمہ وقت تیار رہتے، سچی قیادت اسی وقت وجود میں آتی ہے جب قائد دل سے قوم کی ترقی کا خواہش مند ہو اور اس کے لیے ہر طرح کی قربانی کے واسطے تیار رہے، اسی کا نام خلوص سے بھری خیر خواہی ہے، جو کردار کی پختگی کی طالب ہے، گفتار کے غازی اس خانہ میں فٹ نہیں بیٹھتے، مدینہ میں ایک دفعہ افواہ اڑی کہ کہیں سے حملہ آور گھس پڑے ہیں، رات کا وقت تھا، لوگوں میں ہلچل مچ گئی، اپنے گھروں سے لوگ باہر آگئے، تو کیا دیکھتے ہیں کہ دور سے کوئی گھوڑے پر سوار آرہا ہے، سواری نزدیک آئی تو معلوم ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، فرمایا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں، صرف افواہ ہے، کوئی حملہ آور نہیں آیا، جس گھوڑے پر سوار ہو کر تشریف لے گئے تھے اس کی بھی تعریف فرمائی۔

غور فرمائیں کہ لوگ ابھی معاملہ کو سمجھنے کی کوشش میں ہیں، ادھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھرپور جائزہ لے کر تشریف بھی لے آئے، رعایا کے تحفظ اور انسانیت کے درد کی اس سے اعلیٰ مثال کہاں مل سکتی ہے۔

سراسر قربانی، خیر خواہی اور خلوص پر مبنی قیادت کو "نصح" کہتے ہیں، اس کا سب سے اعلیٰ ترین نمونہ حضرات انبیاء علیہم السلام ہوا کرتے ہیں، جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے نمایاں مقام حاصل تھا، قرآن کریم نے متعدد انبیائے کرام کا ذکر کرتے ہوئے ان کی یہ بات نقل کی ہے، حضرت نوح فرماتے ہیں: ﴿وَأَنْصَحُ لَكُمْ﴾ حضرت ہود فرماتے ہیں: ﴿وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ﴾ حضرت صالح کہتے ہیں: ﴿وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلَكِنْ لَا تُحِبُّونَ النَّاصِحِينَ﴾ (میں نے تمہاری پوری خیر خواہی کی لیکن تمہیں خیر خواہ کہاں اچھے لگتے ہیں) حضرت شعیب فرماتے ہیں: ﴿يَا قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ فَكَيْفَ آسَى عَلَى قَوْمٍ كَافِرِينَ﴾ (میری قوم! میں نے اپنے رب کی سب ہدایات پہنچادیں، (پھر بھی تم نہیں مانے) اب ایسی ناشکری قوم پر میں کیا افسوس کروں)

امانت داری

اسی خیر خواہی کا سب سے بڑا مظہر امانت داری ہے، امانت داری کا مطلب اپنی ذمہ داری کو پوری سچائی کے ساتھ ادا کرنے کا ہے، اسلام امامت و قیادت کو "امانت" قرار دیتا ہے، "انعام" نہیں، موجودہ سیاست نے قیادت و اقتدار کو انعام قرار دیا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر قائد امکانی حد تک اپنے لیے سامان تعیش جمع کرتا ہے، پھر بچا کھچا قوم کے آگے پھینک دیتا ہے، وہ بھی بعد ہزار احسان، قرآن کریم کی رو سے منصب امامت و خلافت پر فائز ہونے کے بعد نفسانی خواہش کے زیر اثر رہنے تک کی اجازت نہیں، قیادت کے غلط استعمال کی بات جانے دیجیے: ﴿يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ﴾ (اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا، اس لیے لوگوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرو، خواہشات کے پیچھے بالکل نہ رہو، یہ چیز تمہیں اللہ کے راستے سے ہٹادے گی، جو لوگ اللہ کے راستے سے ہٹ جاتے ہیں وہ سخت عذاب سے دوچار ہوں گے حساب کے دن کو بھلا بیٹھنے کی وجہ سے)۔

برائے مطالعہ

بقلم: مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

تذکرہ شیخ الاسلام

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

آزادی ہند کی خاطر بے لوث قربانیاں، تحفظ قوم وملت کی خاطر مسلسل جانفشانیاں، نیز علوم دین اور احسان وسلوک کی راہ میں بلند مقام و مرتبت! یہ جلی عنوانات ہیں اس صاحب عظمت بزرگ کی زندگی کے جس کی احسان مند پوری ملت اسلامیہ ہندیہ ہے، اور یہ کتاب اسی تاریخ ساز شخصیت کا تذکرہ ہے۔

ترتیب وپیش کش:- سید محمود حسن حسنی ندوی

صفحات: 160 قیمت: -/Rs. 100

سید احمد شہید اکیڈمی رائے بریلی (9919331295)

جماعت و امامت

فضائل و احکام

قسط دوم

مفتی راشد حسین ندوی

اقتداء کی شرطیں

کسی بھی امام کی اقتداء اسی وقت صحیح ہوگی جب مندرجہ ذیل شرطیں پائی جارہی ہوں:

۱- امام کی اقتداء کی نیت کرنا، یہ خیال رہے کہ نیت کرنا دل کا فعل ہوتا ہے، لہٰذا دل میں نیت کرنا کافی ہوگا، زبان سے نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔

۲- دونوں کے مکان کا متحد ہونا، چنانچہ اگر دونوں کی جگہ نہ حقیقۃً متحد ہو نہ حکماً متحد ہو تو اقتداء صحیح نہیں ہوگی، اور اگر امام مسجد میں ہو، مقتدی باہر سڑک پر ہو لیکن صفیں وہاں تک متصل ہوں تو اقتداء صحیح ہوجائے گی، اس لیے کہ اگرچہ دونوں حقیقت کے اعتبار سے الگ الگ جگہوں پر ہیں، لیکن صف متصل ہونے کے سبب حکماً دونوں کی جگہ ایک مانی جائے گی۔

۳- دونوں ایک فرض پڑھ رہے ہوں، چنانچہ اگر امام عصر پڑھا رہا ہو تو اس کے پیچھے ظہر کی نیت سے اقتداء کرنا صحیح نہیں ہوگا۔

۴- امام کی نماز صحیح ہو رہی ہو، چنانچہ اگر کسی وجہ سے امام کی نماز فاسد ہو رہی ہو تو مقتدی کی نماز بھی صحیح نہیں ہوگی۔

۵- مقتدی امام سے آگے نہ ہو، اگر دونوں برابر ہوں تو نماز درست ہوجائے گی، لیکن اگر مقتدی بڑھا ہوا ہو تو نماز درست نہیں ہوگی، اور اس کا اعتبار ایڑی کے اعتبار سے ہوگا، چنانچہ اگر مقتدی کی ایڑیاں امام کی ایڑی کے برابر یا پیچھے ہوں تو نماز درست ہوجائے گی، خواہ مقتدی کا پیر امام کے پیر کے سے بڑا ہونے کے سبب آگے ہی کیوں نہ نکلا ہوا ہو۔

۶- مقتدی کو امام کی حرکات و سکنات کا علم ہو رہا ہو کہ کب رکوع اور سجدہ وغیرہ کر رہا ہے، خواہ امام دکھائی پڑ رہا ہو یا آواز سے اس کا علم ہو رہا ہو، یا آگے والے مقتدیوں سے اس کا پتہ چل رہا ہو۔

۷- نماز کے دوران یا امام کے سلام پھیرنے کے بعد اس کا جان لینا کہ امام مقیم ہے یا مسافر۔

۸- ارکان یعنی رکوع و سجود وغیرہ میں امام کے ساتھ شریک رہنا، اس طرح کہ ارکان میں امام کے ساتھ یا اس کے بعد جائے، چنانچہ اگر امام سے پہلے رکوع کرے اور امام کے رکوع میں پہنچنے سے پہلے رکوع سے اٹھ جائے تو نماز صحیح نہیں ہوگی۔

۹- مقتدی کی حالت ارکان اور شرائط میں امام کی حالت جیسی ہونا یا اس سے کم تر درجہ کی ہونا جیسے رکوع سجود کرنے پر قادر مقتدی صرف اسی امام کی اقتداء کرسکتا ہے جو رکوع و سجود کر رہا ہو، اور مقتدی رکوع سجود اشارہ سے کر رہا ہو، امام مکمل رکوع سجود کر رہا ہو تب بھی نماز صحیح ہوگی، لیکن اگر اس کے برعکس ہو یعنی امام رکوع سجود اشارہ سے کر رہا ہو مقتدی مکمل رکوع سجود کر رہا ہو تو نماز صحیح نہیں ہوگی، ہاں امام اور مقتدی دونوں اشارہ سے رکوع سجود کر رہے ہوں تو نماز صحیح ہوجائے گی، البتہ امام اگر کسی عذر سے بیٹھ کر نماز پڑھا رہا ہو اور مقتدی کھڑے ہوں تو نماز ہوجائے گی۔

یہی معاملہ شرائط میں ہے کہ اگر امام معذور ہو، اور اسے مسلسل پیشاب ٹپکنے یا گیس وغیرہ خارج ہونے کا مرض ہو تو اپنے جیسے کی امامت کرسکتا ہے، جس کو اس طرح کا مرض نہیں ہے اس کی امامت نہیں کرسکتا ہے۔

۱۰- امام یا مقتدی کے دائیں بائیں یا مقتدی کے آگے کوئی عورت اسی امام کی اقتداء میں نماز نہ پڑھ رہی ہو، ورنہ نماز صحیح نہیں ہوگی۔ (شامی: ۱/۶۰۶-۶۰۷)

امام کس کو بنانا چاہیے؟:

امام بناتے وقت اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ امام نماز کے احکام سے واقفیت رکھتا ہو، دین دار ہو، اور فسق میں مبتلا کردینے والے گناہوں سے اجتناب کرتا ہو، قرآن صحیح پڑھتا ہو، اور پرہیزگار ہو۔ (ہندیہ: ۱/۸۳، شامی: ۱/۶۱۲)

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لوگوں کی امامت قرآن کو کثرت سے پڑھنے والا کرے، اگر قرأت میں سب برابر ہوں تو (نماز کا طریقہ اور) سنت کو زیادہ جاننے والا، اگر سنت میں بھی سب برابر ہوں تو سب سے پہلے ہجرت کرنے والا (اب یہ فضیلت اس کو حاصل ہوگی جو تقوی میں بڑھا ہوا ہو) اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو وہ امامت کرے گا جو سب سے زیادہ عمر والا ہو اور کوئی شخص دوسرے شخص کی امامت اس کے اختیار کی جگہ نہ کرے، اور اس کے گھر میں اس کی نشست گاہ پر اس کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے۔ (مسلم)

کن لوگوں کو امام بنانا جائز نہیں:

اگر کوئی شخص کھلم کھلا کافرانہ عقیدہ اختیار کئے ہوئے ہو، جیسے آنحضرت ﷺ کو آخری نبی نہ مانتا ہو، مثلاً: قادیانی وغیرہ، یا حدیث شریف کو حجت نہ مانتا ہو، مثلاً: منکرین حدیث، یا تحریف قرآن کا قائل ہو، اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر وعثمان پر سب وشتم کرتا ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا قطعاً جائز نہیں ہے، اگر انجانے میں پڑھ لی تو اس کا اعادہ ضروری ہوگا، اس لیے کہ ان کے پیچھے نماز درست ہی نہیں ہے۔ (شامی: ۱/ ۴۱۵)

کن لوگوں کی امامت مکروہ ہے:

مندرجہ ذیل لوگوں کے پیچھے نماز مکروہ ہے، مسجد کی کمیٹی کو چاہیے کہ ایسے لوگوں کو امام نہ بنائے، بلکہ شرائط پوری کرنے والے کسی دین دار کو امام بنائے۔

(۱) **فاسق کی امامت**: فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، اور فاسق سے وہ شخص مراد ہے جو کھلم کھلا بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کرتا ہو، مثلاً: شرابی، زناکاری، سود خور، لوگوں کی زمینیں غصب کرنے والا، جھوٹی گواہی دینے والا، جھوٹ بولنے والا یا اسی طرح کے گناہ کا عادی ہو، اسی میں وہ شخص بھی شامل ہے جو داڑھی چھلاتا ہو یا ایک مشت سے زیادہ کٹاتا ہو، یا بغیر کسی عذر پائجامہ یا لنگی وغیرہ ٹخنہ سے نیچے رکھتا ہو، یا جس کے گھر کی وہ عورتیں جن پر وہ اختیار رکھتا ہے پردہ نہ کرتی ہوں، اور وہ ان کی روک ٹوک بھی نہ کرتا ہو، تو اس طرح کے لوگوں کو امام نہ بنایا جائے، اگرچہ کراہت تحریم کے ساتھ نماز ادا ہوجائے گی، اور جماعت کی فضیلت حاصل ہوجائے گی۔ (شامی: ۱/ ۴۱۴، ہندیہ: ۱/ ۸۵)

(۲) **بدعتی کی امامت**: بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا بھی مکروہ تحریمی ہے، بدعتی وہ ہے جو آنحضرت ﷺ سے معروف و منقول کے خلاف تاویلاً اعتقاد رکھے لیکن اس کا اعتقاد کفر وشرک تک نہ پہنچتا ہو، اگر کفر وشرک کا مرتکب ہوجائے تو پیچھے بتایا جاچکا ہے کہ اس کے پیچھے نماز درست ہی نہیں ہوگی۔ (شامی: ۱/ ۴۱۴)

۳- جن لوگوں کے بارے میں شبہ ہو کہ شاید علم دین کا حصول نہیں کر پائے ہوں گے، یا طہارت کا خیال نہیں رکھ پائے ہوں گے، یا جس کو ایسی بیماری لاحق ہو جس سے لوگوں کو گھن آتی ہو تو ان کو امام بنانا مکروہ تنزیہی ہوتا ہے، لیکن اگر وہی امامت کی شرائط پوری کر رہے ہوں، دوسرے علم وتقوی میں ان سے کم تر ہوں تو ان کو امام بنانے میں ذرہ برابر بھی کراہت نہیں ہے، جیسے نابینا شخص، کوڑھ، برص جیسی بیماریوں میں مبتلا شخص یا ایک ہاتھ یا ایک پیر سے معذور شخص۔ (شامی: ۱/ ۳۱۶-۳۱۷)

۴- **نابالغ کی امامت**: نماز چاہے فرض ہو یا تراویح کی ہو نابالغ کے پیچھے جائز نہیں ہے، کوئی بھی بچہ جب پندرہ سال کا ہوجائے تو وہ شرعاً بالغ ہوجاتا ہے، خواہ کوئی علامت ظاہر ہو یا نہیں، اور بارہ سال سے پہلے بالغ نہیں مانا جائے گا، جب بچہ بارہ اور پندرہ سال کے درمیان ہو تو احتلام جیسی کوئی علامت پائی جائے تو اسے بالغ مانا جائے گا، اور اس طرح کی کوئی علامت نہ پائی جائے تو اسے بالغ نہیں مانا جائے گا۔ (شامی: ۱/ ۴۰۹۔ و: ۵/ ۱۰۷)

عورتوں کی امامت:

یہ مسئلہ پیچھے گزر چکا ہے کہ عورت مردوں کی امامت نہیں کرسکتی، اگر مرد عورت کو امام بنادیں تو نماز صحیح نہیں ہوگی، لیکن اگر عورت عورتوں کی امامت کرے تو یہ مکروہ تحریمی ہے، چاہے فرض نماز ہو چاہے تراویح کی نماز ہو، پھر بھی اگر عورتیں ایسا کریں تو جو عورت امام بن رہی ہے مردوں کی طرح اس کو آگے نہیں رہنا چاہیے بلکہ صف کے درمیان رہنا چاہیے، اگر امام عورت مرد امام کی طرح آگے بڑھ جائے تو گنہ گار ہوگی۔ (شامی: ۱/ ۴۱۸)

اصل مسئلہ کتابوں میں اسی طرح لکھا ہوا ہے، لیکن بعض علماء نے تراویح کی نماز میں اس کے جواز کا اشارہ کیا ہے، چنانچہ مفتی

سلمان منصور پوری (استاد مدرسہ شاہی) لکھتے ہیں: اگر کوئی حافظہ عورت قرآن یاد رکھنے کی غرض سے صرف اپنے گھر کی عورتوں کو تراویح میں قرآن سنائے تو یہ اگرچہ خلاف اولیٰ ہے لیکن فی الجملہ اس کی گنجائش ہے، بشرطیکہ اور کوئی فتنہ مثلاً: دیگر گھروں یا محلوں کی خواتین کا اجتماع وغیرہ نہ ہو۔ (کتاب المسائل: ۱/۳۸۶) اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رمضان کے مہینہ میں عورتوں کی امامت کرتی تھیں، اور درمیان صف میں کھڑی ہوتی تھیں۔ (کتاب الآثار: ۱/۲۰۳-۲۰۶) اسی طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی امامت کی روایت منقول ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/۴۰۳)

نماز لمبی کرنا:

امام کو ہر نماز میں مسنون مقدار میں قرأت کرنی چاہیے، مسنون مقدار سے زیادہ قرأت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

(شامی: ۱/۴۱۷، ہندیہ: ۱/۸۷)

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو نماز ہلکی رکھے، اس لیے کہ ان میں بیمار کمزور اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں، اور جب اپنی (یعنی تنہا) نماز پڑھے تو جتنا چاہے طویل کرے۔ (بخاری و مسلم)

امام بعد والی سنتیں کہاں پڑھے:

اگر مسجد بہت تنگ نہ ہو تو امام کو چاہیے کہ بعد والی سنتیں وغیرہ مصلیٰ سے ہٹ کر پڑھے، ورنہ وہیں پڑھنا مکروہ تنزیہی ہوگا، لیکن اگر جگہ تنگ ہے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے، (شامی: ۱/۳۹۲) جہاں تک مقتدی اور منفرد کا تعلق ہے تو وہ جہاں فرض پڑھیں وہیں نوافل وغیرہ بھی پڑھ سکتے ہیں، اگرچہ افضل یہی ہے کہ وہ بھی جگہ بدل لیں۔ (ایضا)

سلام پھیرنے کے بعد کیا کرے؟:

جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں، ان میں فرض نماز کے بعد آنحضرت ﷺ صرف دعا کرنے کی مقدار میں بیٹھتے تھے۔ (مسلم) اور فجر وعصر میں دائیں یا بائیں یا مقتدیوں کی جانب رخ کر لیا کرتے تھے، امام کو اسی پر عمل کرنا چاہیے۔ (شامی: ۱/۳۲۹)

بقیہ: اللہ کی گرفت

......معلوم ہوا قیامت کے دن سارا نظام تبدیل ہو جائے گا، نئی زمین بنائی جائے گی، آسمان بھی بدل دیئے جائیں گے، اور ایک نیا نظام قائم ہو جائے گا، اس دن ایک ایک چیز اللہ تعالیٰ کے سامنے لائی جائے گی، اور ظالمین بھی اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش ہوں گے، اس وقت ان کی حالت کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ جنہوں نے اپنی زندگی جرم یعنی خدا تعالیٰ کی خلاف ورزی میں گذاری ہے، وہ بیڑیوں، ہتھکڑیوں میں باندھے ہوئے لائے جا رہے ہوں گے، یعنی فرشتے ان کو بیڑیوں میں جکڑ کر اور زنجیروں سے باندھ کر لا رہے ہوں گے، تاکہ ان کو وہاں پہنچائیں جہاں ان کو سزا ہوگی، ان کے لباس سے متعلق فرمایا گیا ہے کہ ان کے اوپر تارکول یا اس طرح کی چیزوں کے لباس ہوں گے، اور آگ ان کے چہروں پر سے گذر رہی ہوگی، اس وقت ہر کوئی جان لے گا کہ جس نے جیسا کیا اللہ تعالیٰ نے اس کو ویسا ہی بدلہ دیا، اور یہ بھی جان لے گا کہ اللہ تعالیٰ کسی امر کو مؤخر نہیں کرتا بلکہ وہ بہت جلدی حساب لے لیتا ہے، اور کسی کے ساتھ ظلم روا نہیں رکھتا، اب اگر کوئی اس سے خلاصی چاہتا ہے تو اس کا حل اللہ تعالیٰ نے توبہ کی شکل میں رکھا ہے، اگر انسان مرنے سے پہلے توبہ کر لیتا ہے تو اللہ گناہوں کو ختم کر دیتا ہے، پھر ان گناہوں کی سزا نہیں ملتی۔

معلوم ہوا کہ اس وقت کے آنے سے پہلے ہم میں سے ہر ایک کو ہوشیار ہو جانا چاہیے، اگر ابھی لوگوں نے توبہ نہ کی، اپنے برے اعمال سے باز نہ آئے تو اس وقت کسی قسم کی کوئی رعایت نہیں ہوگی، لہٰذا لوگوں کو یہ بات بخوبی سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک ذات ہے، جس کے علاوہ کسی اور سے مدد حاصل نہیں کی جاسکتی، وہی الٰہ واحد ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ جو عقل والے، سمجھ دار لوگ ہیں وہ اس سے نصیحت حاصل کر لیں، سمجھ دار آدمی کے لیے اشارہ کافی ہوتا ہے، لیکن آدمی نہ مانے اور نہ تسلیم کرے تو پھر اس کا نتیجہ غلط ہوگا۔

حضرت سید احمد شہیدؒ

تحریک آزادی کے اولین علمبردار

عبداللہ عثمان صاحب (دیوبند)

انیسویں صدی عیسوی مسلمانان ہند کے لیے نہ صرف آزمائشوں اور اذیتوں سے لبریز رہی، بلکہ ان کے سماجی، تعلیمی اور معاشرتی زوال سے بھی پر تھی، اس عہد کے مسلمانان ملک کے اس دوراہے پر کھڑے تھے، جہاں ایک طرف ان کا دین ومعاشرہ بکھر رہا تھا، تو دوسری سمت برطانوی عمل داری نے ان کی فکر ونظر پر شدید کاری ضرب لگائی تھی، ایسے حالات ناگفتہ بہ میں ہمارے علماء وصلحاء نے احیاء دین، اصلاح معاشرہ، استخلاص وطن اور علوم اسلامی کا دفاع مجاہدانہ طور پر کیا، جس کے نتیجہ میں انہوں نے اپنی جانوں، اولاد اور مال تک کی قربانی دی تھی، اسی زریں سلسلہ کی ایک کڑی کا نام سید احمد شہید رائے بریلوی ہے، سید احمد شہید مشرقی یوپی کے رائے بریلی نامی مقام پر ۱۷۸۶ء کو پیدا ہوئے، آپ کے مورث اعلیٰ شاہ علم اللہ تھے، یہ اودھ کے نامور بزرگان دین میں تھے، جن کی نسبت فیض روحانی صدیوں سے مرجع خلائق بنی ہوئی تھی، اس جگہ کو ''تکیہ شاہ علم اللہ'' کے نام سے شہرت حاصل ہے، کم عمری میں ہی سید احمد سایہ پدری سے محروم ہوگئے تھے، چنانچہ چار برس چار ماہ اور چار دن کی عمر ہوئی تو حسب معمول داخل مکتب ہوئے، اس گھرانے کا سب سے بڑا سرمایہ علم دین یا ذکر وسلوک تھا۔

خاندان ولی اللّٰہی سے آپ کو ذہنی اور روحانی تربیت حاصل ہوئی، شاہ عبدالعزیز کا جس میں اہم کردار ہے، سید احمد شہیدؒ میں ایک جوش اور امنگ جوان میں فطری طور پر شروع سے موجزن تھا وہ اسلامی تشخص کا دفاع اور غیر اسلامی رسوم کا خاتمہ تھا، علاوہ ازیں ایک دیگر چیلنج انگریزوں کا بڑھتا استبداد واقتدار تھا، انہوں نے سب سے پہلے جس کام کو اولیت دی وہ تھا مسلمانوں کا آپسی اتحاد وربط، انہوں نے ہندوستان کے بڑے حصے کا دورہ کیا، یہ مسافت رائے بریلی سے کولکاتا، کولکاتا سے مکہ معظمہ ہوتے ہوئے ممبئی اور ممبئی سے براستہ کولکاتا رائے بریلی، قریب سات ہزار میل کی حیرت انگیز سیاحت مشتمل ہے، ہندوستانی تاریخ میں سید احمد شہیدؒ کے کاروان جہاد اور اصلاح عمل سے بڑی تحریک نہ تو اس سے پہلے قائم کی گئی اور نہ ہی اس کے بعد نظر آئی، اس مہم کے اساسی مقاصد یہ تھے: عوام میں دینی روح بیدار کرنا اور ان کے عقائد کی اصلاح کے علاوہ جابر حکومت اور اس کی قوتوں کو زیر کرنا تھا، اس انقلابی پروگرام کے اہم ترین رکن مولانا عبدالحی (م ۱۸۲۸ء) شاہ اسماعیل شہید (ش ۱۸۳۱ء) تھے، جن میں شاہ اسماعیل کی ذات گرامی نہ صرف مجاہدانہ طور پر ممتاز تھی، بلکہ علمی اعتبار سے بھی بے نظیر تھی، علاوہ ازیں حضرت شاہ اسحاق دہلوی، مولانا شاہ محمد یعقوب دہلوی، مفتی رشید الدین، مفتی صدر الدین، مولانا حسن علی لکھنؤ، مولانا حسین احمد ملیح آبادی، مولانا شاہ عبدالغنی دہلوی بھی اس تحریک کے اہم ارکان تھے۔

غرض سید احمد شہیدؒ اور ان کی جماعت جلیل ایسے عہد میں اپنی سرفروشی کی مثال قائم کررہے تھے کہ اس وقت نہ مسلمانوں کا کوئی سہارا تھا، اور نہ کوئی حکومت اور نہ ہی ان کے معاشی حالات اچھے تھے، آپ اپنے وقت کے مجدد تھے اور ان کی علمی جد و جہد نے مسلمانوں کے مضطرب اور یاس بھرے دلوں میں یقین اور اطمینان کی شمع روشن کی۔

سید احمد کی یہ تحریک سکھوں کے خلاف نہیں بلکہ انگریزوں کے خلاف تھی، سید احمد نے راجگان ہند اور نوابوں کو انگریزوں کے خلاف متحد ہونے کے لیے خطوط لکھے، اور امیر علی وجسونت راؤ ہلکر کے ساتھ تقریبا چھ سال تک انگریزوں سے برسر پیکار رہے، اسی جذبہ حریت اور انگریزوں کی مخالفت نے آپ کا تعلق انگریزوں کے تیسرے مخالف دولت راؤ سندھیا سے آخر تک قائم رکھا، بہرکیف تاریخ کے اکثر واقعات جو روز روشن کی طرح عیاں ہیں، ثابت کرتے ہیں کہ سید صاحب کے جنگ وجہاد کا اصل مقابل انگریز تھا،

مگر بدنصیبی تھی کہ حالات نے سکھوں سے آویزش پر مجبور کردیا، بالآخر پنجاب کے علاقائی سردار یار محمد خان، اور سلطان محمد کی آپسی عداوت نے سید صاحب سے بغاوت کرکے ان کی کوششوں کو شدید نقصان پہنچایا، یہی غداری آپ کی تحریک کے خاتمہ کا باعث بنی، بالاکوٹ میں راجہ شیر سنگھ کا لشکر بہت بڑا تھا، اس کی فوج چاروں طرف سے پہاڑوں پر چھا گئی، مجاہدین درمیان میں محصور تھے، اس جنگ میں مجاہدین کو کراری ہار ہوئی، چنانچہ شاہ اسماعیل شہید، مولوی خیر الدین وغیرہ سید صاحب کے ساتھ راہ خدا میں شہید ہوگئے، یہ لوگ دیارِ اسلام کے وہ آفتاب و ماہتاب تھے جنہوں نے خود کو جلا کر عالم گیتی کو ایسا اجالا دیا کہ جس کی روشنی صدیوں تک مسلمانوں کی رہنمائی کرتی رہے گی، بالفاظ دیگر برصغیر میں اہل اسلام کے دلوں میں آپ شہیدوں نے وہ جذبہ دین وملت اور حب الوطنی جگایا کہ جس کو دنیا کی کوئی قوت سرد نہ کرسکی اور یہی جذبہ وحرارت مستقبل میں برطانوی حکومت کے خاتمہ کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

سید صاحب کا مشن بظاہر مسلمانوں کی دینی، علمی، سماجی اصلاح تھا، مگر اس کا اصل مقصد غیر ملکی سامراج کو ختم کرکے دیسی حکومت قائم کرنا تھا، اس راہ میں ان کی جرأت، بلند حوصلگی اور نظام عسکریت بھی بے مثال تھا۔

سید احمد کا یہ کارواں جس کی ابتداء ستر افراد سے ہوئی تھی، آٹھ سو تک پہنچ گئی تھی، جہاں داخل ہوا وہاں اس کی نہ صرف حوصلہ افزائی ہوئی بلکہ علاقوں کے اہل ثروت اور ذمہ داران نے اپنی حیثیت کے مطابق میزبانی اور مدارات کا ثبوت دیا، آپ نے دینی ودعوتی اور اصلاحی دورے مختلف مقامات کے کیے، اور کلکتہ کے قیام کے وقت آپ شیر میسور حضرت سلطان ٹیپو (ش ۱۷۹۹ء) کے اہل خانہ سے بھی ملے جو اس وقت یہاں نظر بند تھے، سید احمد کا ٹیپو کے گھرانے سے قدیم تعلق تھا، سید احمد کے نانا مولانا ابوسعید سے حیدر علی بیعت تھے، سید احمد نے جب دوآبہ علاقہ کا دورہ کیا تو اس وقت سے دیوبند کے ممتاز گھرانے آپ سے نہ صرف بیعت ہوئے بلکہ آپ کے قافلہ میں شامل ہوگئے تھے، دار العلوم دیوبند کے نزدیک جانب مشرق قاضی مسجد میں بھی حضرت سید صاحب نے دس دن قیام کیا اور قریبی موضع املیا میں بھی تشریف لے گئے تھے، دیوبند فروکش ہونے کے وقت سید مقبول، مولوی شمس الدین، شیخ حفیظ، شیخ رجب علی، مولوی فرید الدین (والد ماجد شاہ رفیع الدین سابق مہتمم دار العلوم دیوبند) مولوی بشیر اللہ سید احمد آپ کے حلقہ بیعت میں آئے، آپ جس وقت دیوبند کی تاریخی مسجد قاضی میں ٹھہرے ہوئے تھے تب انہوں نے ایک بشارت یہ دی تھی کہ مجھے اس جگہ سے علم کی بو آتی ہے، چنانچہ آپ کی یہ پیشین گوئی سچ ثابت ہوئی، دار العلوم اپنے ابتدائی دور میں مسجد قاضی میں بھی کچھ عرصہ منتقل رہا، علاوہ ازیں اہل دیوبند کے کئی افراد کو نہ صرف سید صاحبؒ سے نیاز حاصل ہوا تھا بلکہ ان کے ساتھ معرکہ بالاکوٹ میں جام شہادت نوشی کا بھی شرف ملا تھا۔

توکل علی اللہ کی ایک مثال

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک آدمی نے دوسرے سے ہزار دینار قرض لیے، اس نے کہا: کیا تمہارا کوئی گواہ ہے، کہا: میرا گواہ تو صرف اللہ ہے، کہا: پھر تو اللہ کافی ہے، کہا: تمہارا کوئی وکیل ہے، بولا: نہیں، اللہ کے سوا کوئی نہیں، بولا: پھر تو اللہ کافی ہے، پھر اسے ہزار دینار دے کر آدمی چلا گیا، دونوں کے بیچ ایک مدت اور وقت متعین ہوگیا، اس دیار میں دونوں کے بیچ ایک نہر تھی، جب وقت قریب آیا تو قرض دار قرض اتارنے کے لیے دینار لے کر آیا، نہر کے کنارے کشتی کی کھوج میں لگا، اسے کچھ نہ ملا، لمبی رات تک وہ انتظار کرتا رہا کہ کچھ ملے، کہنے لگا: بارالٰہا اس نے گواہ طلب کیا ہے، تیرے علاوہ کوئی نہ ملا، اے اللہ! پیغام اسے پہنچا دے، پھر ایک لکڑی لے کر اسے چیرا اور اس میں دینار رکھے، ایک خط لکھا اور لکڑی سے باندھ کر اس نہر میں پھینک دیا، اللہ کے اذن اور مہربانی سے وہ لکڑی دکھائی دی، اسے گھر لے گیا، اور جب توڑا تو دیکھا کہ دینار اور قرض دار کا پیغام ملا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ مددگار ہے، وکیل ہے اور وکالت پوری کرتا ہے، ارشاد ربانی ہے: ''اللہ ہی پر ایمان لانے والے توکل کرتے ہیں اور اللہ ہی پر توکل کرو اگر تم ایمان والے ہو''۔

علم دین کا مقصد

محمد ارمغان بدایونی ندوی

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضي الله عنه) قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَعَلَّمَ عِلْماً مِمَّا يُبْتَغَى بِهِ وَجْهُ اللّٰهِ، لَا يَتَعَلَّمُهُ إِلَّا لِيُصِيبَ بِهِ عَرَضاً مِنَ الدُّنْيَا، لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَعْنِي رِيحَهَا. (سنن أبي داؤد: ٣٦٦٤)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس علم سے اللہ کی رضا چاہی جاتی ہو، انسان اس علم کو دنیا کی دولت کمانے کے لیے حاصل کرے تو ایسا شخص قیامت کے دن جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا۔

فائدہ:- دین اسلام میں علم کا خاص مقام ہے، کیونکہ علم ہی انسانیت کو جہالت کی گھٹاٹوپ وادیوں سے دنیا کی وسعتیں عطا کرتا ہے، تہذیب وتمدن سے آشنا کرتا ہے، جدید وسائل تک پہنچنے کی رہنمائی کرتا ہے، سب سے بڑھ کر یہ کہ معرفت الٰہی وخشیت الٰہی کا حصول بھی اسی کے ذریعہ ممکن ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں سب سے پہلے حصول علم کا حکم نازل ہوا، فرمایا گیا ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾ (العلق: ۱) (پڑھئے اپنے اس پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا) قرآن مجید کی اس آیت میں ایک طرف نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ حصول علم کا حکم دیا گیا ہے، وہیں دوسری طرف ایک شرط بھی لگادی گئی ہے کہ حصول علم اپنے رب کے نام سے مربوط ہونا ضروری ہے، کیونکہ اگر علم کے ساتھ خلاق عالم کی نسبت موجود ہوگی، تو وہ علم انسانیت کو فروغ دینے والا اور اخروی زندگی کی کامیابی سے ہم کنار کرنے والا ہوگا، اس کے ذریعہ دنیا میں امن وسکون پھیلے گا، وہ علم انسانیت کے لیے وبال جان ثابت نہیں ہوگا، بلکہ انسانیت کی اعلیٰ قدروں کو قائم کرنے والا نفع بخش علم ہوگا، اور نفع پہنچانے والی چیز کے متعلق قانون الٰہی یہ ہے کہ دنیا اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اس کو دوام نصیب ہوتا ہے۔

بقائے انفع کا یہی وہ قانون ہے جس کی وجہ سے علم دین کی شمع ہر دور میں جلتی رہی، جب کہ ہر زمانہ میں اپنے اپنے اعتبار سے باطل طاقتوں نے ایسی گھناؤنی اور پرزور سازشیں رچیں جن کا منصوبہ یہ تھا کہ نعوذ باللہ علم دین کو ختم کردیا جائے اور انسانیت کو ہلاکت کی خندق کی میں دھکیل دیا جائے، چونکہ علم دین انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کے وارثین یعنی علمائے کرام سے وابستہ ہے، اس لیے ہر دور میں یہ مردان باخدا باطل کے سامنے سینہ سپر رہے، اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی توفیق سے بغیر کسی دنیوی لالچ کے علم دین کو تشدد، غلو اور تحریف سے پاک کرتے رہے، دینی ودنیوی اعتبار سے انسانیت کو راہ نجات کی ہدایت دیتے رہے۔

بلاشبہ علم دین کی اہمیت و قیمت کسی ہشت پہل نگینہ سے کم نہیں، بلکہ اس سے اعلیٰ وارفع ہی ہے، اس لیے حصول علم دین کے لیے شریعت اسلامیہ نے ایسے اصول بیان فرمادیئے، جن کی بنا پر انسان علم دین کو اپنے مادی اغراض ومقاصد کی خاطر ہرگز حاصل نہ کرے، بلکہ اس کا منتہائے نظر رضائے الٰہی ومعرفت الٰہی کا حصول ہو، اسی لیے مذکورہ بالا حدیث میں وضاحت کے ساتھ یہ بات بیان کردی گئی کہ اگر کسی شخص نے علم دین کو رضائے الٰہی کے علاوہ دنیاوی مقصد کے پیش نظر حاصل کیا تو وہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا، جو شخص جنت کی خوشبو سونگھنے ہی سے محروم رہے گا تو جنت میں داخلہ کا تصور ہی مشکل ہے۔ اس حدیث کے تناظر میں اگر آج ہم دینی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کا جائزہ لیں تو ایک بڑی تعداد ایسی نظر آتی ہے، جن کا مقصد شعوری یا غیر شعوری طور پر دنیوی منفعت کا حصول بن گیا ہے، جب کہ ایک مدت تک قرآن وحدیث کی ورق گردانی سے انہیں مادیت کا شکار ہونے کے نقصانات، دنیا کی محبت کے مفاسد کا سبق سکھایا جاتا ہے، دنیوی مقصد کے پیش نظر علم دین سے وابستگی پر جو وعیدیں وارد ہوئی ہیں وہ بھی بتائی جاتی ہیں، مگر اس کے باوجود دنیا کی محبت ان کے گھروں میں راسخ ہوجاتی ہے، سب کچھ جاننے کے باوجود ان کی عقل پر مادیت کے دبیز پردے پڑجاتے ہیں، جب کہ علم دین کی نافعیت اور اس پر ملنے والا اجر انہیں اصولوں سے وابستہ ہے، جو اصول انبیائے کرام کی زندگیوں میں عملی طور پر موجود ہیں، یعنی دنیاوی منافع کے حصول سے دور رہ کر اخروی اجر وثواب کا یقین رکھنا۔

ترکی میں ناکام فوجی بغاوت

منظر-پس منظر

محمد نفیس خاں ندوی

15,16 جولائی کی درمیانی شب میں ترکی کے ایک فوجی جتھے نے حکومت کا تختہ پلٹنے کی کوشش کی جسے سربراہ مملکت کی بیدار مغزی و دانشمندی اور عوام کے سیاسی شعور نے ناکام بنادیا۔ انقلاب کی اس ناکامی سے بہت سے ملکوں میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی جن میں امریکہ واسرائیل سرفہرست ہیں، کیونکہ طیب اردگان کی حکومت کی وجہ سے خطہ میں امریکہ واسرائیل اور ان کی ہم نوا طاقتوں کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

بغاوت کی کوشش کا آغاز جمعہ کی شام تقریباً ساڑھے سات بجے شروع ہوا، استنبول کے مرکزی پلوں پر ٹینک کھڑے کردیے گئے، کچھ وقفہ بعد انقرہ کی سڑکوں پر فوجی دندناتے نظر آنے لگے، جنگی طیاروں نے بھی شہر کی فضا میں پروازیں شروع کردیں، میڈیا پر کنٹرول کرلیا گیا اور سرکاری ٹی وی سے یہ اعلان نشر ہوا کہ ملک میں مارشل لا نافذ کردیا گیا ہے اور کرفیو لگا دیا گیا ہے، اور اقتدار کی ڈور اب فوج کے ہاتھوں میں ہے، اور ایک ''امن کونسل'' اب ملک کا نظام چلائے گی۔

فوجی بغاوت کے واقعات اس وقت پیش آئے جب قومی صدر طیب رجب اردگان ملک سے باہر تھے، اور چونکہ ملکی میڈیا پر فوج کا قبضہ ہوچکا تھا اس لیے انھوں نے ''سوشل میڈیا'' کا سہارا لیا، اور ''فیس ٹائم'' کے ذریعہ اپنی قوم کو بھیجے گئے پیغام میں عوام سے باہر نکلنے اور اس فوجی بغاوت کو ناکام بنانے کی اپیل کی، جس کے بعد انقرہ اور استنبول میں عوام بھاری تعداد میں سڑکوں پر نکل آئے، آنکھوں میں غصہ وجنون، دلوں میں جوش وولولہ، ملک کی سالمیت اور اپنے حکمراں کے تئیں خلوص اور وفاداری، لازمی نتیجہ تصادم کی شکل میں ظاہر ہوا، فوج نے طاقت آزمائی بھی کی لیکن فدائیت کے اس سیل رواں کے سامنے انھیں گھٹنے ٹیکنے پڑے، کچھ نے ٹینک چھوڑ کر فرار اختیار کیا، اور کچھ نے ہتھیار ڈال کر خود کو عوام کے حوالہ کردیا، اور تاریخ میں پہل بار عالمی میڈیا نے وہ مناظر بھی نشر کیے جن میں عوام نے فوجیوں کو قید کیا اور کسی ملک کی حفاظت خود وہاں کے باشندوں نے کی۔

ترکی کی اس فوجی بغاوت میں بڑی تعداد میں اموات بھی ہوئی، ہلاک شدگان میں 115 سے زائد فوجی باغی، 41 پولیس اہلکار اور 84 عام شہری شامل ہیں، ان کے علاوہ زخمیوں کی تعداد 1100 سے بھی متجاوز ہے۔

ترک حکومت نے اس بغاوت کے بعد کریک ڈاؤن کا سلسلہ شروع کیا، ہزاروں فوجیوں کو برطرف یا گرفتار کرلیا گیا جن میں 112 کے قریب فوجی جرنیل اور ایڈمرل اور دو ہزار سے زائد جج بھی شامل ہیں، نیز تقریباً پچاس ہزار سرکاری ملازمین کو معطل کردیا گیا، شعبہ تعلیم سے تعلق رکھنے والے بہت سے افراد کے ملک چھوڑنے پر پابندی لگادی گئی، اور کئی یونیورسٹیوں کے ذمہ داروں سے استعفیٰ لے لیا گیا۔ ترک میڈیا کے مطابق 34 صحافیوں کی دستاویزات منسوخ کردی گئیں، اور زیر حراست یا مفرور افراد میں سے تقریباً 10856 پاسپورٹ بھی منسوخ کردیے گئے، اس کے علاوہ حفاظت کے پیش نظر 283 صدارتی محافظوں کو بھی حراست میں لے لیا گیا ہے۔

اسرائیلی حکام نے بغاوت کی ناکامیابی پر افسوس کا اظہار کیا ہے، اسرائیلی عسکری امور کے ماہر ''رون بن یشائی'' نے اسرائیل کے مشہور اخبار ''یدعوت احرونوت'' کو دیے گئے بیان میں کہا ''ترکی میں انقلابیوں نے سب سے بڑی غلطی یہ کی تھی کہ انھیں اپنی کارروائی کا آغاز اردگان کی گرفتاری سے کرنا چاہیے تھا، اگر انقلابی یہ غلطی نہ کرتے تو آج نتائج کچھ اور ہی ہوتے۔''

عرب صحافتی ذرائع نے یہ انکشاف کیا ہے کہ ترکی میں ہوئی اس فوجی بغاوت کے پیچھے ترک فضائیہ کے سابق سربراہ جنرل آوز توک کا اہم کردار رہا ہے، جسے اسرائیل کا بہت قریبی تصور کیا جاتا ہے، وہ 1996 سے 1998 تک تل ابیب میں ترک سفارتخانہ کا ملٹری اتاشی بھی رہا ہے، اسی دوران اس کے اسرائیلی خفیہ ایجنسی موساد سے بھی گہرے روابط تھے، ماضی میں بحیرہ روم میں ہونے والی امریکہ، اسرائیل، ترکی کی مشترکہ عسکری مشقوں کے دوران بھی

اس ترک جنرل کا اسرائیلی حکام سے قریبی رابطہ رہا ہے، گذشتہ برس اگست میں جنرل کو فوج سے فارغ تو کردیا گیا تھا پھر بھی وہ قومی سلامتی کونسل کا اعلی رکن تھا۔

ترک حکومت نے اس ناکام فوجی بغاوت کا ماسٹر مائنڈ فتح اللہ گولن نامی شخص کو قرار دیا ہے جو اس وقت امریکی ریاست پنسلوینیا کے شہر سالس برگ میں مقیم ہے۔

2013ء میں فتح اللہ گولن ظاہری طور پر طیب اردگان کے حامیوں میں شامل تھے، لیکن ان کے خفیہ اقدامات خصوصا اعلی حکام کے فون رکارڈ کرنے، اسی طرح جعلی آڈیو بنانے اور پھر ان کو بلیک میل کرنے اور مختلف طریقوں سے اردگان کی پارٹی پر کنٹرول حاصل کرنے کی کوشش کے واقعات کے بعد اردگان اور گولن کے مابین اختلافات شروع ہوئے، اور 2013 میں جب طیب اردگان کے خلاف مظاہرے ہوئے تو ان مظاہروں میں تقریباً نوے فصد گولن کے حامی شامل تھے۔

فتح اللہ گولن کی جڑیں ترکی میں اتنی گہری ہیں کہ ہر محکمہ سے اب تک ہزاروں کی تعداد میں ان کے حامی گرفتار کیے جاچکے ہیں، ان کے حامی دنیا کے مختلف ممالک میں موجود ہیں، ترکی میں ان کے رسوخ کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے معتقدین اعلیٰ سرکاری عہدیداروں کے فون ٹیپ کرتے ہوئے بھی پکڑے گئے ہیں۔

فتح اللہ گولن ترکی کی امیر ترین شخصیت کا نام ہے، جن کی سالانہ آمدنی 31 بلین ڈالر سے بھی زائد ہے، ان کی ''خدمت'' تحریک (ترکی نام حزمت) کے تحت ترکی و دیگر ممالک میں تین ہزار سے زائد اسکول، اکیڈمی، اور تربیتی مراکز قائم ہیں، بینکنگ و اسٹاک ایکسچینج میں بھی ان کی زبردست سرمایہ کاری ہے، اس کے علاوہ ترکی میں اس وقت آٹھ ٹی وی اسٹیشن گولن کی ملکیت ہیں۔

فتح اللہ گولن ترکی کا متنازعہ ترین کردار ہے، وہ اگرچہ خود کو سیاسی عزائم سے پاک قرار دیتے ہیں اور اپنی تحریک کو ایک مذہبی تحریک بتاتے ہیں لیکن درحقیقت وہ اردگان کی ان پالیسیوں کی سخت مذمت کرتے ہیں جو امریکہ و اسرائیل کے مفاد میں نہیں جاتیں۔

امریکہ و اسرائیل نے مختلف موقعوں پر ترک حکومت کی اسلام پسند کارروائیوں کے خلاف فتح اللہ گولن کو استعمال کیا ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ فتح اللہ گولن نے ترک حکومت کی شام میں مداخلت کی پالیسیوں کی کھل کر مخالفت کی، اس کے علاوہ جس وقت غزہ کے مظلوم فلسطینیوں کی امداد کے لیے ترکی نے اپنے امدادی بحری جہاز فلوٹیا کو وہاں روانہ کیا تو گولن نے ایک مرتبہ پھر اردگان کی اس پالیسی پر سخت تنقید کی اور بیان دیا کہ ترکی کو اسرائیل کی اجازت کے بغیر ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہیے تھا، اس کے علاوہ بنگلہ دیش میں جب جماعت اسلامی کے نمائندوں کو پھانسی کی سزا سنائی گئی تو اردگان نے اس کی مخالفت کی جبکہ گولن نے اس کی کھل کر حمایت کی تھی۔

اردگان حکومت نے حالات پر قابو پالیا ہے، اور آگن اوز ترک اور اس کے 26 دیگر ساتھیوں پر بغاوت کا الزام عائد کرکے کارروائی شروع کردی گئی ہے، جبکہ دوسری طرف امریکہ سے فتح اللہ گولن کی حوالگی کے مطالبہ بھی شروع ہیں جو کہ ایک عالمی موضوع بن چکا ہے۔

2004ء میں ترکی نے سزائے موت کا قانون منسوخ کردیا تھا، لیکن اس بغاوت کے بعد ترک صدر اردگان نے اپنے خطاب میں کہا ہے کہ اگر عوام مطالبہ کرتے ہیں تو وہ سزائے موت کے قانون کی بحالی کے لیے تیار ہیں۔ ان کے اس بیان پر یورپی یونین کے حکام نے ترکی کو خبردار کرتے ہوئے کہا کہ اگر ترکی نے سزائے موت کو بحال کیا تو اس کے یورپی یونین میں شمولیت کا راستہ بند ہوسکتا ہے۔

اسرائیل اپنی عالمی چودھراہٹ کے قیام یا اعلان سے قبل پورے مشرق وسطی میں حالات کو اپنے حق میں سازگار کرنا چاہتا ہے، جس کے لیے خطہ کی دیگر قوتوں کا اس کے سامنے سرنگوں ہونا یا تباہ وبرباد ہونا ضروری ہے، لیکن ترکی کی وجہ سے حالات مزید ناسازگار ہوتے جارہے ہیں۔ اس لیے امریکہ و اسرائیل کی اولین کوشش ہے کہ ترکی میں حکومت کا چہرہ تبدیل ہو یا حکومت اتنی کمزور ہو کہ اس کی پالیسیوں کا نفاذ پوری قوت سے ممکن ہوسکے، اور ماضی میں جس طرح ترکی حکومت امریکہ نواز اور اسرائیلی مفاد کے تحفظ کا کام کرتی تھی موجودہ حکومت بھی اسی روش کو اختیار کرے۔ لیکن اردگان کے جارحانہ تیور اور پھر اس بغاوت کی ناکامیابی نے بظاہر اسرائیل کو اپنی منزل سے کوسوں دور کردیا ہے۔

دعوت الیٰ اللہ کے شرائط

مولانا محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ

﴿وَمَنۡ أَحۡسَنُ قَوۡلًا مِّمَّن دَعَآ إِلَى ٱللَّهِ وَعَمِلَ صَٰلِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ ٱلۡمُسۡلِمِينَ﴾

(حم السجدة: ٣٣)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ (اس سے زیادہ اچھی بات کس کی ہوسکتی ہے، جس نے اللہ کی طرف دعوت دی اور اچھے کام کیئے اور کہا کہ میں مسلمان ہوں)

یہ چوبیسویں پارے میں سورحم سجدہ کی ایک آیت ہے، اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ سب سے اچھی دعوت، سب سے اچھی تبلیغ اور سب سے افضل پیغام خدا کی طرف بلانا ہے، خود اس کی دعوت کے تقاضوں کو پورا کرنا ہے، اور برملا اور واشگاف طریقہ پر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرنا ہے۔

دعوت الیٰ اللہ پر ہم تھوڑی دیر کے لیے غور کریں تو اس کی کئی قسمیں نظر آئیں گی، ایک دعوت الیٰ اللہ وہ ہے جو نیت کے فتور یا ذہن کی کجی کی وجہ سے دیکھنے میں دعوت الیٰ اللہ نظر آتی ہے، لیکن حقیقت میں دعوت الیٰ الدنیا ہے، جو صرف زبان کی حد تک محدود ہے، عمل سے اس کو کوئی تعلق نہیں، ایک وہ ہے جس میں ترک دنیا سے کم درجہ میں دنیاوی ذمہ داریوں اور حقوق العباد کی حق تلفی پائی جاتی ہے، قرآن مجید ان سب دعوتوں کی نفی کرتا ہے اور صرف اس دعوت الیٰ اللہ پر مہر تصدیق لگاتا ہے جو:

۱- خالص خدا کے لیے ہو۔

۲- جس کے ساتھ عمل کا تصدیق نامہ بھی ہو۔

۳- جس میں اعتدال وتوازن ہو۔

۴- جس میں بزدلی اور منافقت کے بجائے اخلاقی جرأت اور خدا کی دی ہوئی قوت ہو۔

۵- جو عقیدہ کی خرابی اور ذہن کی کجی سے پاک و صاف ہو۔

یہ ایک پیمانہ یا تھرمامیٹر ہے جس سے ہر مسلمان جو دعوت دین کے فرض کو ادا کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کی صحت وسقم اس پر واضح ہو جائے، اپنے کام اور اپنے مقام کا صحیح اندازہ لگا سکتا ہے، اور اپنے کو ناپ سکتا ہے، اس لیے کہ اس مختصر آیت میں کام کی عظمت کا بھی اشارہ ہے، اس کی جامعیت اور عملیت کا بھی ذکر ہے، اخلاقی جرأت اور قلبی ولسانی قوت کا بھی تذکرہ ہے اور سچائی اور اخلاص نیت کی اہمیت بھی اس میں پوری طرح واضح ہے، اس لحاظ سے یہ آیت ہر مسلمان اور ہر مبلغ وداعی الی اللہ کے لیے روشنی کا مینار، عمل کا پیمانہ اور کردار واخلاق کی جانچ کا بہترین خدائی آلہ ہے، جس میں غلطی کا کوئی امکان نہیں۔

﴿وَمَنۡ أَصۡدَقُ مِنَ ٱللَّهِ قِيلًا﴾ (اور اللہ سے زیادہ سچی بات اور کس کی ہوسکتی ہے) (النساء: ۱۲۲)

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Postal Reg. No.
RBL/NP - 09

Volume: 08 *AUGUST 2016* Issue: 08

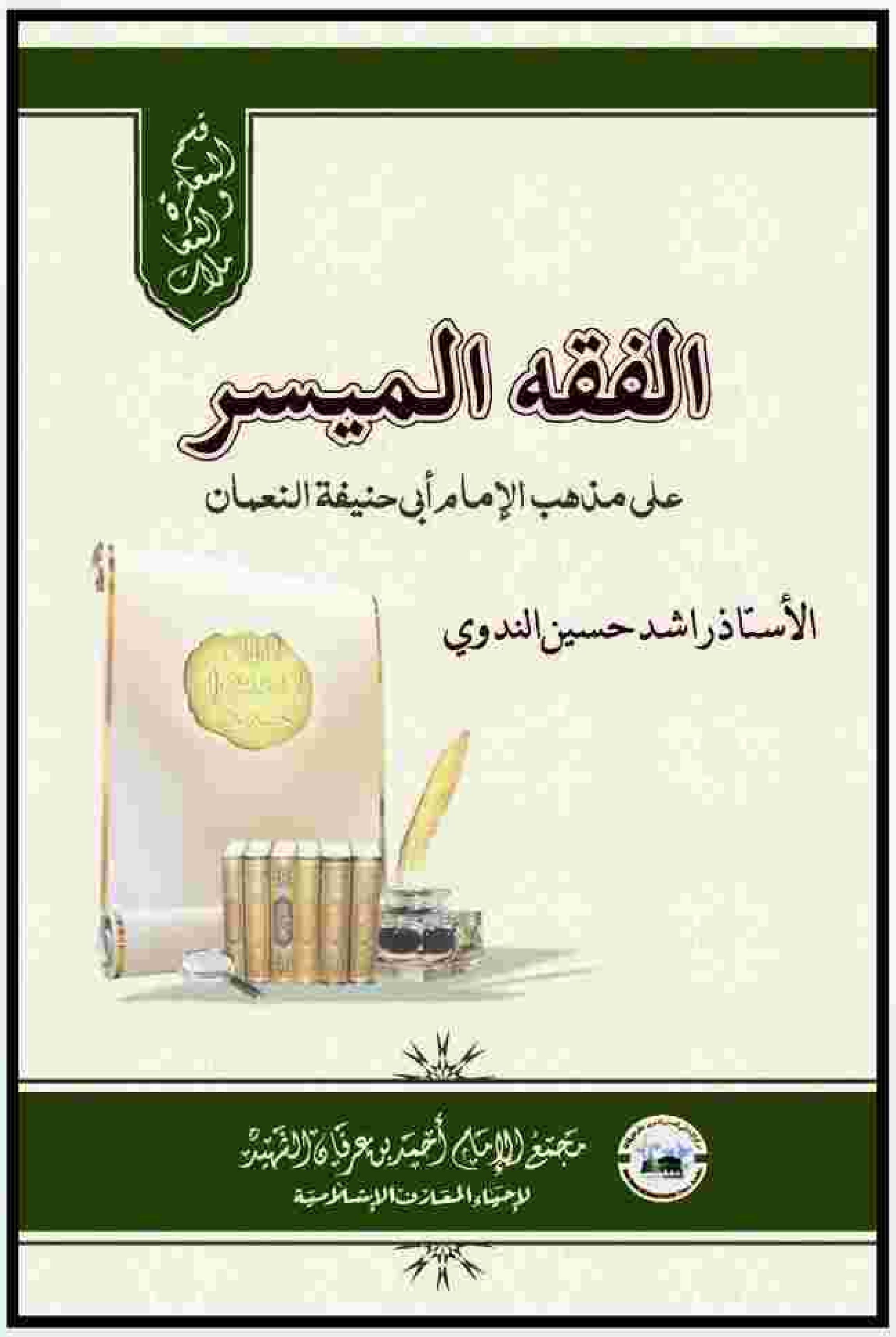

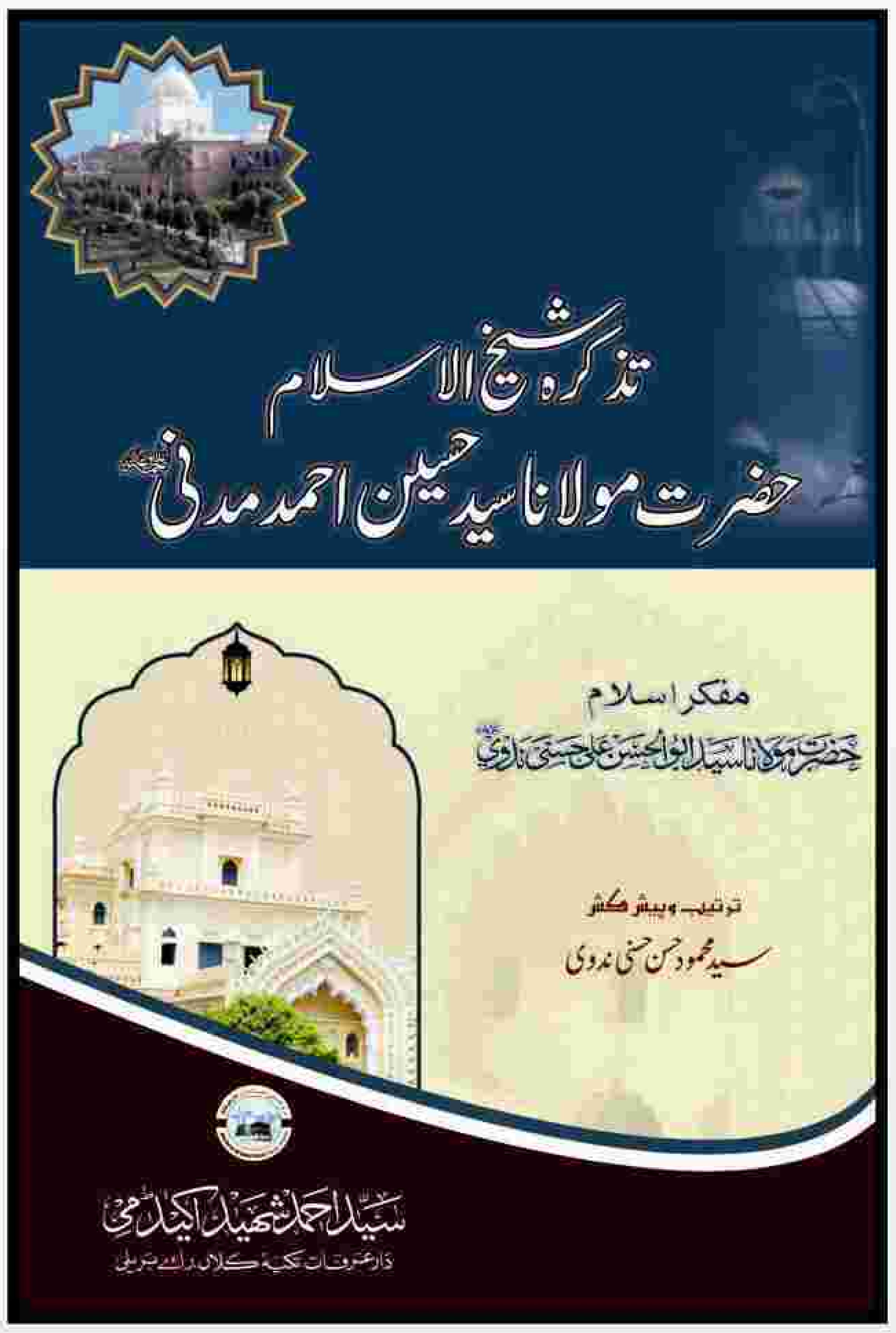

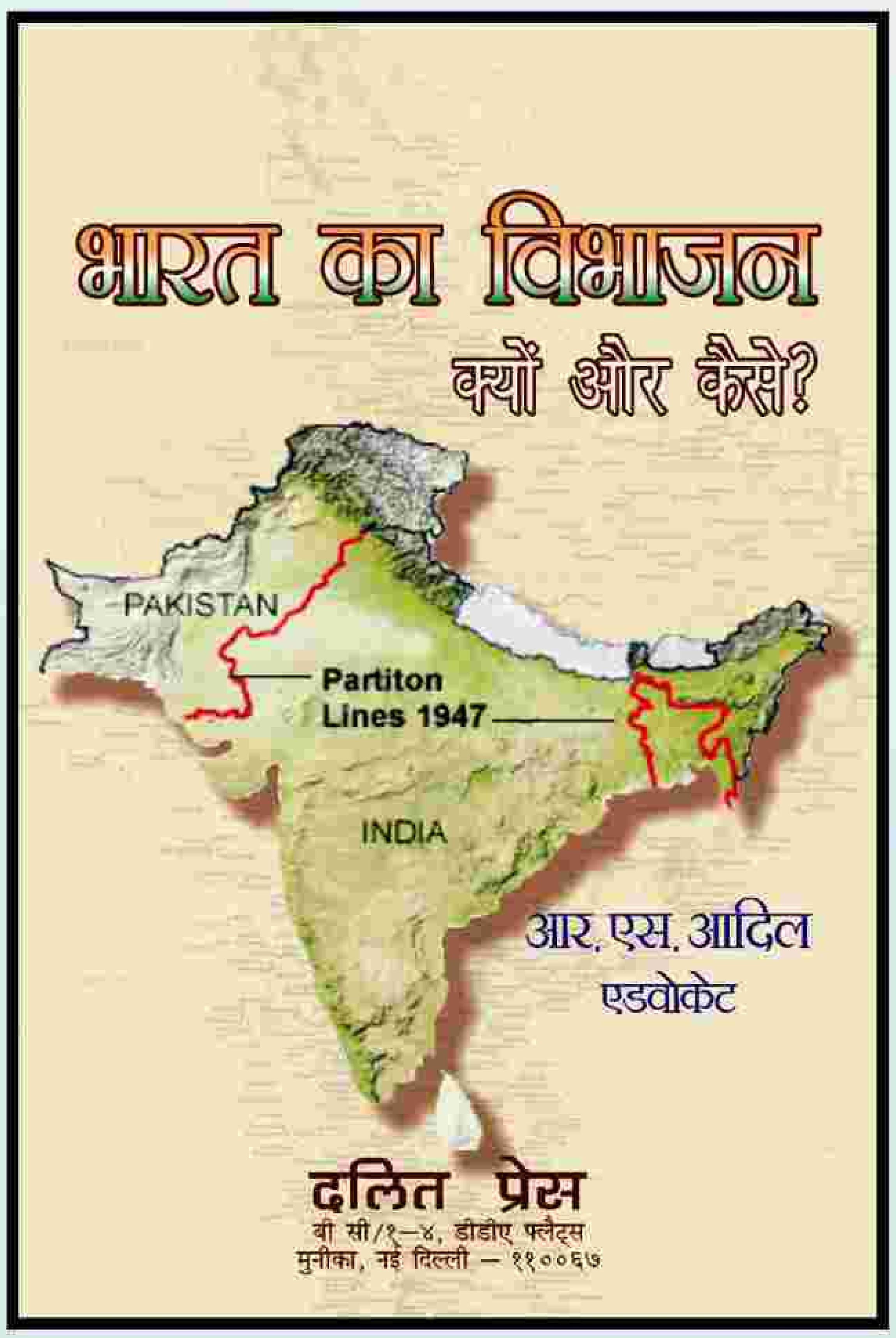

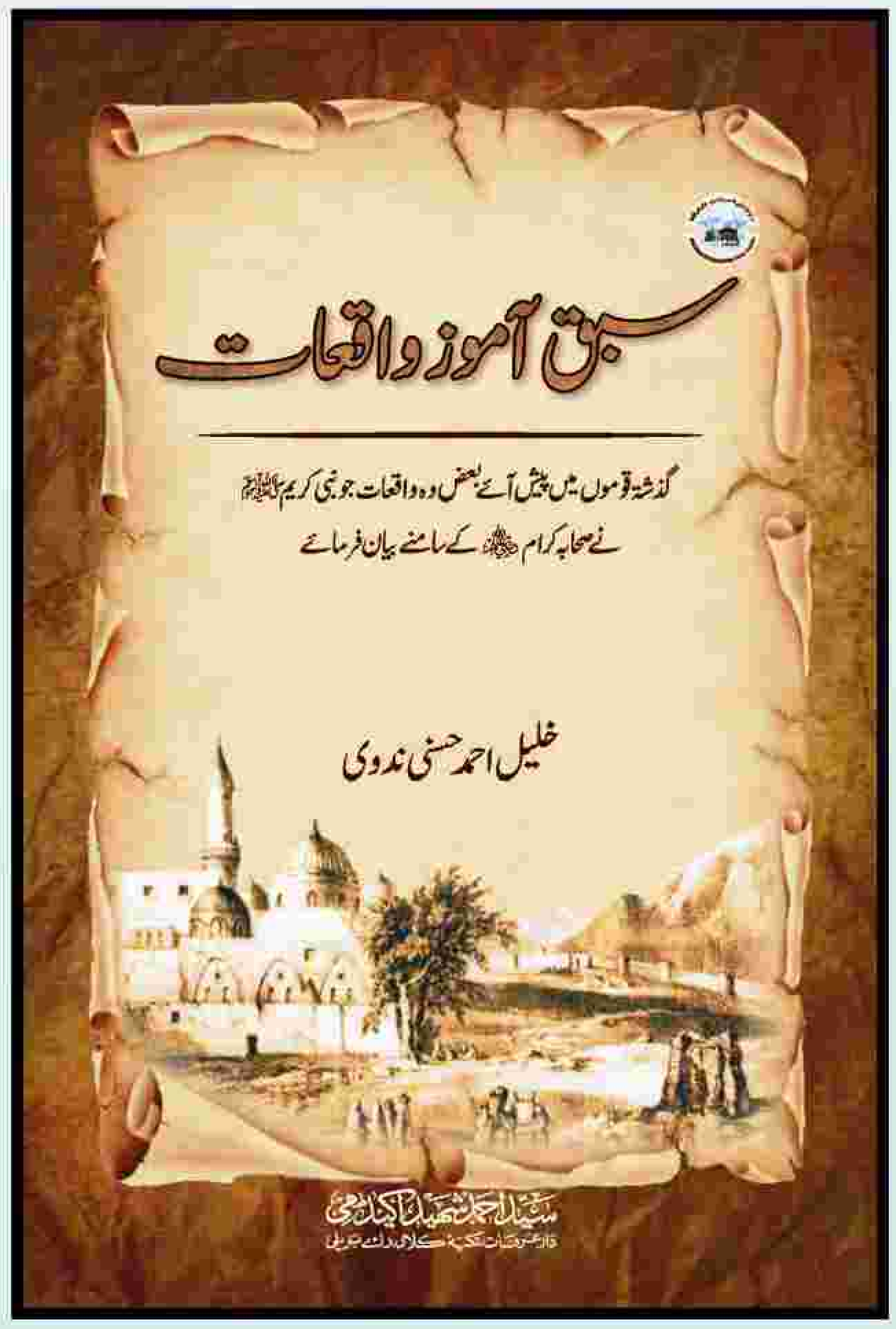

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9792646858
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)